مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی

# اسلام کا تعارف

إن الدين عند الله الإسلام

دار عرفات

تکیہ کلاں رائے بریلی

# اسلام کا تعارف

از

مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی

ناشر

**دار عرفات**

تکیہ کلاں رائے بریلی

| | |
|---|---|
| نام کتاب: | اسلام کا تعارف (اردو) |
| نام مصنف: | حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی |
| طبع اول اردو ایڈیشن | مئی ۱۹۹۸ء |
| صفحات: | ۱۷۰ |
| طبع اول ہندی ایڈیشن (لکھنؤ) | ۱۹۹۶ء |
| تعداد اشاعت: | ۱۵۰۰۰ |
| طبع دوم (دہلی) | ۱۹۹۶ء |
| طبع سوم (لکھنؤ) | زیر طبع |
| انگریزی ایڈیشن: | زیر طبع |
| ناشر: | اسلام کا تعارف (اردو) دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی، اتر پردیش |
| کمپوزنگ: | ناشر کمپیوٹرز، امین آباد لکھنؤ |

ملنے کا پتہ:

مجلس تحقیقات و نشریاتِ اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ

مکتبہ اسلام، محمد علی لین، گوئن روڈ لکھنؤ

# فہرست مضامین

| صفحہ | مضامین | نمبر شمار |
|---|---|---|
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
| | **تیسرا باب** | |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |
|  |  |  |

| نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|---|---|---|

## چوتھا باب



## پانچواں باب

| نمبر شمار | مضامین | صفحہ |
|---|---|---|
| ۸۲ | موت کا ناگزیر مرحلہ اور اسلام کے مخصوص طریقے | ۱۱۵ |
| ۸۳ | خاتمہ کی فکر اور اس کی تیاری | ۱۱۵ |
| ۸۴ | تجہیز و تکفین میں سنت کا خیال | ۱۱۶ |
| ۸۵ | نماز جنازہ | ۱۱۷ |
| ۸۶ | جنازہ کو کاندھا دینا اور قبر تک ساتھ چلنا | ۱۱۸ |
| ۸۷ | قبر میں رکھنے کا طریقہ اور مٹی دینے کا معمول | ۱۱۸ |
| ۸۸ | غمی والے گھر کے افراد کے لئے عزیزوں کی طرف سے کھانا اور شریک غم ہونے کا طریقہ | ۱۱۹ |
| ۸۹ | اسلامی تہذیب و ثقافت | ۱۲۰ |
| ۹۰ | ابراہیمی محمدی تہذیب | ۱۲۰ |
| ۹۱ | ابراہیمی تہذیب کی تین خصوصیتیں | ۱۲۱ |
| ۹۲ | مسلمانوں کی زندگی میں اللہ کی یاد | ۱۲۲ |
| ۹۳ | دوسرا بین الاقوامی شعار عقیدۂ توحید | ۱۲۴ |
| ۹۴ | تیسرا شعار: شرافت و مساوات انسانی کا عقیدہ | ۱۲۵ |
| ۹۵ | جزئی و فروعی امتیازات | ۱۲۵ |
| ۹۶ | اسلامی معاشرہ میں پیشے نہ مستقل ہیں نہ حقیر | ۱۲۵ |
| ۹۷ | بیوہ کا عقد ثانی اور ہندوستانی مسلمانوں کا امتیازی معاملہ | ۱۲۶ |
| ۹۸ | سلام کرنے کا رواج اور اسکے مختلف طریقے | ۱۲۶ |
| ۹۹ | اسلام میں علم کا مقام | ۱۲۷ |
| ۱۰۰ | فنون لطیفہ کے بارے میں مسلمان کا رویہ | ۱۲۹ |
| ۱۰۱ | مذہب زندگی کا نگراں ہے | ۱۳۰ |

## چھٹا باب

| | | |
|---|---|---|
| ۱۰۲ | **تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس** | ۱۳۲ |
| ۱۰۳ | بعثت محمدی ﷺ کے مقاصد | ۱۳۲ |
| ۱۰۴ | انسان سازی کی ایک دائمی کارگاہ | ۱۳۳ |

## ساتواں باب



## آٹھواں باب

# پیش لفظ

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند وضاحتیں اور چند باتیں قارئین کے سامنے آجائیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اسلام کے تعارف میں بہت سے اہل قلم نے کتابیں تصنیف کی ہیں، اور اسلام کو اپنی شکل میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، وہ سب اپنی اپنی محنت و کوشش کے اعتبار سے شکریہ کے مستحق ہیں، لیکن اسلام کے مکمل تعارف کے لئے ایک ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی جس میں اختصار و جامعیت بھی ہو اور اعتدال و معروضیت بھی، جس سے اسلام کا صحیح تصور اور سچی تصویر بھی پڑھنے والوں کے سامنے آجائے، کیونکہ خود مسلمانوں کا بڑا طبقہ اور خاص طور سے ہندوستان میں رہنے والے بہت سے مسلمان، جہالت اور خرافات کا شکار ہو گئے ہیں۔ خود اسلام کے مکمل نظام سے بیگانہ ہو گئے ہیں۔ حتی کہ ان میں اور غیروں میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، اسکے نتیجہ میں اسلام قبول کرنے کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں کھڑی ہو گئی ہیں جنکو دور کر کے اسلام کا صحیح تعارف کرانا ہر دردمند مسلمان کا فریضہ ہے جو ہر دور اور علاقہ میں کم و بیش کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہا ہے اسی سلسلہ کی یہ بھی ایک کڑی ہے اللہ تعالی قبول فرمائے، اور ذریعہ ہدایت بنائے۔

۲۔ اس کتاب کی ترتیب میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جو کچھ لیا جائے وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی تصنیفات سے لیا

جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت و محبوبیت، عالمی شہرت اور آفاقیت، اعتدال پسندی اور جامعیت آپ کو عطا فرمائی ہے وہ کسی معاصر شخصیت میں نہیں پائی جاتی، اور اس کے ساتھ ساتھ مختلف بلکہ متضاد طبقوں اور جماعتوں کو آپ کی شخصیت پر اعتماد ہے جو دراصل آپ کے اخلاص و دردمندی، انسانیت نوازی و دلسوزی کا نتیجہ ہے۔ اسلئے ان ہی کی کتابوں اور کتابچوں (خاص طور سے ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں، دستور حیات، ارکان اربعہ) سے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔

۳۔ آخر میں ان عزیزوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جنھوں نے بڑی محنت اور لگن سے حضرت مولانا مد ظلہ کی کتابوں کے اقتباسات نقل کئے، اور فوٹو کروا کر ان کو کتابی شکل دی۔ خاص طور سے عزیزی مولوی رسال الدین ندوی جنھوں نے بہت تعاون کیا اور بڑے شوق و ذوق اور محنت و جانفشانی سے یہ کام کیا اور اسی طرح عزیزی مولوی وصی سلیمان ندوی بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے عزیز مذکور کا تعاون کیا اور عزیزی مولوی محمد شاہد ندوی کا شکریہ بھی ضروری ہے جنھوں نے بڑی محنت اور شوق سے پوری کتاب کی پروف ریڈنگ کی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام کو قبول فرمائے اور اسکو اسلام کے تعارف کا ذریعہ بنا کر ہدایت کے دروازے کھول دے۔ جو اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔

وما ذٰلك على الله بعزيز .

عبداللہ حسنی ندوی

# مقدمہ

از

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

دنیا اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ایک گھر کی طرح ہو گئی ہے، جسمیں رہنے والے افراد اگرچہ مختلف قوموں، فرقوں، اور طبقوں سے تعلق رکھتے ہوں، لیکن وہ ایک گھر کے رہنے والے ہیں، اسلئے بقائے باہم (Co-Existe tence) جو شائستہ اور پر سکون زندگی کا مانا ہوا اصول ہے کیلئے اور مختلف قوموں، فرقوں اور آبادی کے مختلف عناصر کے اتحاد و اعتماد، محبت و عزت اور تعاون واشتراک کے لئے ضروری ہے کہ ہر قوم دوسری قوم کے مزاج ومذاق اور اسکی مذہبی روایات وعقائد سے نہ صرف واقف ہو بلکہ انکا احترام اور انکی قدر بھی کرتی ہو۔

لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ایک گھر کے رہنے والے افراد، ایک علاقہ کے باشندے، بازاروں اور منڈیوں میں ساتھ آنے جانے والے، تعلیمی مرکزوں، دفتروں، کچہریوں میں ایک ساتھ نشست وبرخاست رکھنے والے، ریلوں، بسوں، ہوائی جہازوں میں ساتھ سفر کرنے والے، اور جنکو ایک دوسرے سے تعارف کے مواقع آسانی سے میسر ہوں، وہ ایک دوسرے کے عقائد، عبادات، مذہبی تعلیمات اور خصوصیات سے قریب

قریب ایسی بیگانگی اور اجنبیت رکھتے ہوں جیسی پرانے زمانہ میں پائی جاتی تھی، جب دنیا کے مختلف حصوں کے رہنے والوں کو ایک دوسرے کی مطلق خبر نہ ہوئی تھی، اور نہ ایک دوسرے کو پہچاننے اور واقف ہونے کی ایسی آسانیاں پائی جاتی تھیں۔

ہندوستان میں تقریباً ایک ہزار برس سے ہندو مسلمان اکٹھا رہتے ہیں شہروں، قصبات، دیہاتوں اور محلوں میں انکی ملی جلی آبادی اور مشترک سکونت ہے، بازاروں، منڈیوں، تعلیمی مرکزوں، کچہریوں، دفتروں اور اب سو برس سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے کہ سیاسی تحریکات، سماجی کاموں، اسٹیشن اور ڈاک خانوں، ریلوں اور بسوں میں انکو ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور ایک دوسرے کو جاننے پہچاننے کے مواقع آسانی سے میسر ہیں، لیکن یہ دنیا کا حیرت انگیز واقعہ اور ایک طرح کی پہیلی ہے جسکا بوجھنا آسان نہیں، کہ ایک کو دوسرے کے مذہبی عقائد، تہذیب و معاشرت، طور طریق اور قومی خصوصیات سے قریب قریب اتنی بیگانگی اور اجنبیت ہے جیسی پرانے زمانہ میں اکثر دو ملکوں کے باشندوں کے درمیان ہوا کرتی تھی، ہر ایک کی معلومات دوسرے کے متعلق ناقص، سطحی، سرسری اور زیادہ تر سنی سنائی باتوں اور قیاسات و تخیلات پر مبنی ہیں، ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے بارے میں بہت سی شدید غلط فہمیوں میں مبتلا اور بعض اوقات منافرت انگیز لٹریچر، سیاسی پروپیگنڈے، زہر آلود اور زنگ آمیز تاریخ، نصاب کی کتابوں اور بے تحقیق داستانوں اور کہانیوں کی بنا پر اپنے ذہن و دماغ میں اسکی ایک غلط اور مکروہ تصویر قائم کئے ہوئے ہے، ایک فرقہ جو متعصب نہیں، نیک دل اور سادہ طبیعت افراد سے اگر دوسرے فرقہ کے بنیادی عقائد، مراسم اور معاشرت کے اصولوں کے متعلق دریافت کیا جائے تو یا تو وہ لاعلمی کا اظہار کریں گے یا ایسے جوابات دیں گے جن سے ایک واقف آدمی کو بے اختیار ہنسی آجائے گی، راقم سطور کو جو بکثرت سفر کرتا ہے، اور ریلوں اور بسوں میں ہر طبقہ اور ہر سطح کے لوگوں سے اسکا ملنا جلنا ہوتا ہے، بارہا اسکا تجربہ ہوا، لیکن یہ ہنسی کی بات نہیں، رونے کا مقام ہے، کہ

سیکڑوں برس سے ساتھ رہنے کے باوجود ہم ایک دوسرے سے اتنے ناواقف ہیں، اسکی ذمہ داری تنہا ایک فرقہ پر نہیں، سب پر ہے، اور خاص طور پر مذہبی، سماجی کام کرنے والوں، ملک سے سچی محبت رکھنے والوں اور انسانیت دوستوں پر ہے، کہ انھوں نے ایک کو دوسرے سے صحیح طور پر واقف کرانے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی، یا کی تو ناکافی۔ مہذب دنیا میں اب یہ اصول تسلیم کرلیا گیا ہے کہ محبت، احترام، واعتماد اور امن وسکون کے ساتھ رہنے اور نیک مقاصد کے لئے ایک دوسرے سے تعاون اور اشتراک عمل کرنے کیلئے ایک دوسرے سے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنا ضروری ہے، آبادی کے ہر عنصر اور ہر فرقہ اور ہر گروہ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ دوسرا عنصر، دوسرا فرقہ اور گروہ کن اصولوں پر عقیدہ رکھتا ہے، کن ضابطوں کا اپنے کو پابند اور انکو اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے، اسکی تہذیب ومعاشرت کا خاص رنگ کیا ہے؟ اسکو زندگی کی کون سی قدریں عزیز ہیں؟ اسکو قلبی سکون اور پر از اعتماد زندگی گذارنے کے لئے کیا چیزیں درکار ہیں؟ کون سے عقائد ومقاصد اسکو جان سے زیادہ عزیز اور اولاد سے زیادہ پیارے ہیں؟ ہمیں اس سے گفتگو کرنے میں، اسکے ساتھ خوشی ومسرت کے ساتھ وقت گذارنے میں کن جذبات واحساسات کا خیال رکھنا چاہئے؟ بقائے باہم کے لئے جو شائستہ اور پر سکون زندگی کا مانا ہوا اصول ہے، شرط اولین ہے کہ ضروری حد تک واقفیت حاصل ہو۔

اس صورت حال کا نقصان ہندوں، مسلمانوں کو یکساں اور نتیجہ کے طور پر ہندوستان بلکہ بالآخر انسانیت کو پہونچ رہا ہے، مختلف فرقوں کے درمیان بڑی بڑی خلیجیں قائم ہیں، دلوں میں تلخیاں اور دماغوں میں شکوک ہیں۔

محبت والفت کے ساتھ رہنے، ہنسنے، بولنے، زندگی کا لطف اٹھانے اور ایک دوسرے پر اعتماد اور ایک دوسرے کی تہذیب ومسلک کے احترام کی دولت سے (جو زندگی کا حسن ورونق اور خدا کی ایک بے بہا نعمت ہے) مجموعی طور پر محروم ہیں، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ

بعض فرقوں اور اسکے کہنے میں کوئی خوف و حرج نہیں کہ خاص طور پر مسلمانوں کی صلاحیتیں اور توانائی اپنی صفائی اور مدافعت میں صرف ہو رہی ہیں۔

جہاں تک مسلمانوں کے گذشتہ دور اور گذشتہ تاریخ کا سوال ہے اور یہ کہ مسلمانوں نے ملک کی تعمیر و ترقی اور تنظیم و استحکام میں کیا کردار ادا کیا ہے، تہذیب و تمدن، شعر و ادب اور علوم و فنون میں کیا اضافے کئے اور کیا کیا یادگاریں چھوڑیں تو اس پر اچھی کتابیں اہل قلم سے نکل چکی ہیں اور خود ان سطور کے لکھنے والے کی تصنیف "ہندوستانی مسلمان" کئی سال ہوئے، عربی، اردو اور انگریزی میں شائع ہو چکی ہے، لیکن یہ ایک تاریخی موضوع ہے اور زیادہ تر طلبہ اور تحقیقی کام کرنے والوں کا ہے۔

اسی طرح ضرورت ایک ایسی کتاب کی بھی تھی جسمیں مسلمان جو کچھ ہیں اور جیسے کچھ ہیں اس سے قطع نظر کر کے انکو کیسا ہونا چاہئے، انکو انکے حقیقی رنگ و شکل میں ان کے ہم وطنوں کے سامنے پیش کر دیا جائے، نہ رنگ آمیزی کی جائے نہ خیال آرائی، نہ مبالغہ سے کام لیا جائے اور نہ بخل و حق تلفی سے، اسکے لئے راقم سطور نے "ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں" تیار کی جو اردو، ہندی، انگریزی۔ میں کئی سال ہوئے شائع ہو چکی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ایک ایسی کتاب کی ضرورت باقی تھی جو ہلکی پھلکی ہو، کیونکہ ضخیم کتابوں کا پڑھنا بہت سے مسلمان اور غیر مسلم بھائیوں کے لئے مشکل ہے، جسمیں اسلام کی صحیح تصویر پیش کی گئی ہو اور اسکا اجمالی تعارف آگیا ہو۔

مسرت کا مقام ہے کہ عزیز القدر مولوی سید عبد اللہ حسنی ندوی (استاد دار العلوم ندوۃ العلماء) نے (جو اس فاضل و ادیب کے بیٹے ہیں جسکی عربی تحریروں اور دعوتی و علمی مقالات کو اہل زبان ادیب اور صاحب قلم عرب فضلاء بھی پڑھ کر متاثر اور آب دیدہ ہو جاتے) یہ مبارک قدم اٹھایا جو سب فرقوں، تعلیم یافتہ اصحاب اور انصاف پسندوں کے لئے مفید اور مبارک ہے۔

راقم کی تصنیف جو "ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں" کے نام سے شائع ہو چکی ہے، جسمیں مسلمانوں کے عقائد، معاشرت اور تہذیب و تعلیم و تربیت اور انکی زندگی کا پورا نقشہ آگیا ہے اور راقم کی دوسری تصنیفات جن میں مسلمانوں کے بنیادی عقائد، انکے مذہبی فرائض اور معاشرت اور تہذیب کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ کو سامنے رکھ کر یہ کتاب مرتب کی ہے اور وہ خود دارالعلوم ندوۃ العلماء جیسے بین الاقوامی شہرت اور علمی و تاریخی عظمت رکھنے والے ادارہ اور تعلیم گاہ میں دینیات اور بعض بنیادی کتابوں کے استاد و مدرس ہیں، پھر خاندانی طور پر وہ ایک بڑی وسیع اور مستند ثقافت(Culture) اور علمی سرمایہ کے وارث اور حامل ہیں۔

اسلئے یہ کتاب ہر طرح مفید اور اہم اور مستند و مسلم ہے۔

ابوالحسن علی ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پہلا باب

# اسلام کے معنی مفہوم اور دائرے

اسلام خدا کے سامنے مکمل سپردگی اور اپنے کو Surrender بلا شرط حوالہ کرنے کا نام ہے، اور اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، یہ ایک اساسی حقیقت ہے۔ جو عبد و معبود کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتی، ہر مسلمان خدا کا فرمانبردار بندہ ہے، اسکا تعلق خدا سے دائمی ہے، عمومی ہے، عمیق بھی ہے اور وسیع بھی ہے، محدود بھی ہے اور جامع بھی۔ قرآن شریف میں ہے۔

﴿یا ایھاالذین امنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان ، انہ لکم عدو مبین﴾

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤاور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔(سورۃالبقرہ ۲۰۸)

یہاں تحفظ نہیں، رزرویشن نہیں کہ اتنا آپکا اتنا ہمارا، اتنا ملک کا، اتنا اسٹیٹ کا، اتنا خدا کا اور اتنا خاندان اور قبیلہ کا، اتنا دین و ملت کا اور اتنا سیاسی مفادات کا، نہیں، جو کچھ ہے سب خدا کا ہے۔ یہاں سب عبادت ہی عبادت ہے۔ مسلمان کی پوری زندگی خدا کے سامنے عاجزانہ غلامانہ ہے۔

" دین کا دائرہ پوری زندگی پر حاوی ہے، اور اسمیں کسی کو بھی ترمیم کرنے کا حق نہیں، بڑے سے بڑے مجتہد اور امام وقت کو بھی ان چیزوں میں جو قرآن مجید میں منصوص و قطعی ہیں ایک لفظ، ایک نقطہ کی ترمیم کرنے کی اجازت نہیں۔

اللہ تعالٰی مطالبہ کرتا ہے، اسلام مطالبہ کرتا ہے کہ پورے کے پورے داخل ہو

جاؤ، میں صفائی سے کہتا ہوں اور اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ صاف کہوں کہ ہم مسلمانوں کی معاشرت، شادی بیاہ کے طریقے، وراثت کے طریقے اور ہم مسلمانوں کے معاملات شریعت سے دور ہیں اور بہت دور ہیں، کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو عقائد میں دین کے پابند ہیں، الحمد للہ توحید کے بارے میں انکاذہن صاف ہے، رسالت کے بارے میں، معاد کے بارے میں اور جو بنیادی عقائد ہیں، لیکن عبادات میں کچے ہیں، اور بہت سے وہ ہیں جو عقائد و عبادات میں تو پختہ ہیں لیکن معاملات اور اخلاق کو نہ پوچھئے کہ معاملات اور اخلاق میں سخت نا قابل اعتبار کسی سے معاملہ پڑے گا تو خیانت سے نہ چوکیں گے، ناپ تول میں کمی کریں گے، تجارت کریں گے اور اسمیں مشارکت ہوگی تو اسمیں ناانصافی اور خیانت کے مرتکب ہونگے، کسی کا پڑوس ہوگا تو ان سے اذیت پہونچے گی۔ حدیث میں آتا ہے۔

مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ (کی اذیت) سے مسلمان محفوظ و مطمئن رہیں۔

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسکا پڑوسی اسکی اذیت سے، اسکے گزند سے محفوظ نہ ہو جائے۔ تو ایک طبقہ ایسا ہے کہ نہ پوچھئے، اس نے معاملات و اخلاق کو دین سے خارج کر رکھا ہے، یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس عقائد و عبادات ہی ضروری ہیں۔ نہ معاملہ کی صفائی، نہ وعدہ کی پابندی، نہ امانت کا خیال، نہ انصاف کے ساتھ تقسیم، کوئی چیز نہیں۔ حقوق العباد نہیں، اہل قرابت و اہل حقوق کے بارے میں بالکل آزاد، لوگوں کے ساتھ معاملات میں تجارت میں بھی اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی من مانی کاروائی کرتے ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے جن مسلمانوں کو تیار کیا تھا وہ صحابہ تھے وہ دین کے پورے متبع تھے، وہ دین کے سانچے میں پورے ڈھل گئے تھے، انکے عقائد، انکی عبادات، انکے معاملات، انکے اخلاق، انکے رسومات، انکی تقریبات، انکی فتوحات، انکی حکومت و نظام سلطنت سب چیزیں اور زندگی کے شب و روز شریعت کے مطابق تھے۔(۱)

---

(۱) اللہ تعالی کے ہر فرمانبردار بندے کو ان تمام باتوں کا خیال رکھنا چاہئے اس کا سب سے اعلی نمونہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات تھی، اور پھر صحابہ کرامؓ کی، جس کی ایک جھلک "تہذیب اخلاق" کے بیان میں نظر آئے گی۔

# اسلام میں عقیدہ کی اہمیت

عبودیت کی بنیاد عقائد اور ایمان کی تصحیح پر ہے، جسکے عقائد میں خلل اور ایمان میں بگاڑ ہو، اسکی نہ کوئی عبادت مقبول نہ اسکا کوئی عمل صحیح مانا جائے گا، اور جسکا عقیدہ درست ہو اور ایمان صحیح ہو اسکا تھوڑا عمل بھی بہت ہے، اسلئے سب سے پہلے ان باتوں کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے جن پر عقیدہ رکھنا، ایمان لانا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور جنکے یقین کے بغیر کوئی شخص مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں یہ وہ عقائد ہیں جو دنیا کے تمام مسلمانوں کے درمیان مشترک ہیں۔

## بنیادی اسلامی عقائد

وہ بنیادی عقائد یہ ہیں:

۱۔ توحید: عقیدۂ توحید اسلام کا خالص اور بے میل عقیدہ ہے، جس کے تحت عبد ومعبود کے درمیان دعا وعبادات کے لئے کسی درمیانی ہستی کی ضرورت نہیں ہے، اس عقیدہ میں "تعدد الٰہہ" (۱) خدا کے مظہر یا سایہ کے تصور اور حلول واتحاد (۲) کے عقیدہ کی گنجائش نہں بلکہ خدائے واحد وبے نیاز کی الوہیت اور وحدانیت کا اعتراف واقرار ہے، جس کے نہ کوئی باپ ہے نہ بیٹا، نہ خدائی میں کوئی اس کا شریک، کائنات کی خلقت وپیدائش، دنیا کا نظم ونسق اور زمین وآسمان کا اقتدار اعلیٰ اسی کے ہاتھ میں ہے۔

یعنی اس کارخانۂ قدرت کا ایک بنانے والا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ

---

(۱) متعدد اور کثیر التعداد خداؤں اور معبودوں کا وجود اور عقیدہ۔

(۲) خدا کا کسی مخلوق میں سرایت کر جانا اور دونوں کا مل کر ایک ہو جانا۔

تمام خوبیوں، تعریف کی باتوں اور کمالات کا حامل اور ہر طرح کے عیوب و نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے۔ تمام موجودات اور تمام معلوم اسکے علم میں ہیں۔

یہ پوری کائنات (Universe) اسی کے ارادہ سے ہے، وہ زندہ ہے، سمیع (سننے والا) ہے، بصیر (دیکھنے والا) ہے، نہ کوئی اسکی طرح ہے۔ نہ اسکا کوئی مقابل اور برابری والا ہے، وہ بے مثال ہے، وہ کسی مدد کا محتاج نہیں، کائنات کے چلانے اور اسکا انتظام کرنے میں اسکا کوئی شریک، ساتھی اور مددگار نہیں، عبادت (یعنی انتہائی تعظیم) کا صرف وہی مستحق ہے، صرف وہی ہے جو مریض کو شفا دیتا، مخلوق کو روزی دیتا اور انکی تکلیفوں کو دور کرتا ہے، خدا کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا، انکے سامنے انتہائی ذلت و مسکنت کا اظہار، انکا سجدہ کرنا، ان سے دعا اور ایسی چیزوں میں مدد مانگنا جو انسانی طاقت سے باہر اور صرف خدا کی قدرت سے تعلق رکھتی ہیں (مثلاً اولاد دینا، قسمت اچھی بری کرنا، ہر جگہ مدد کے لئے پہونچ جانا، ہر فاصلہ کی بات سن لینا، دل کی باتوں اور چھپی ہوئی چیزوں کا جان لینا) اسلام کی اصطلاح میں شرک ہے، اور وہ سب سے بڑا گناہ ہے جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ "اسکی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے کہدیتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے" (سورہ یس ۸۲)

۱۔ اللہ تعالیٰ نہ کسی کے جسم میں اترتا ہے، نہ کسی کا روپ بھرتا ہے، نہ اسکا کوئی اوتار ہوتا ہے، وہ کسی جگہ یا سمت میں محدود نہیں ہے، جو وہ چاہتا ہے سو ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا، وہ غنی و بے نیاز ہے، کسی چیز کا بھی محتاج نہیں، اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا، اس سے پوچھا نہیں جا سکتا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ حکمت اسکی صفت ہے، اسکا ہر فعل حکیمانہ ہے، اور اچھائی لئے ہوئے ہے، اسکے علاوہ کوئی (حقیقی) حاکم نہیں۔

۲۔ تقدیر اچھی ہو یا بری اللہ کی طرف سے ہے، وہ پیش آنے والی چیزوں کو پیش آنے

سے پہلے جانتا اور انکو وجود بخشتا ہے

۳۔ اسکے بلند مرتبہ اور مقرب فرشتے ہیں، خدا تعالی کی مخلوق شیاطین بھی ہیں، جو آدمیوں کے لئے شر کا سبب بنتے ہیں، اسکی مخلوقات میں سے جنات بھی ہیں۔

۴۔ قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے، اسکے الفاظ و معانی سب اللہ کی طرف سے ہیں، وہ مکمل ہے، تحریف (کمی بیشی اور تبدیلی) سے محفوظ ہے، جو شخص اسمیں تحریف یا کمی زیادتی کا قائل ہو وہ مسلمان نہیں۔

۵۔ مردوں کا اپنے جسموں کے ساتھ مرنے کے بعد زندہ ہونا برحق ہے، جزا و سزا اور حساب برحق ہے، جنت و دوزخ برحق ہیں۔

۶۔ پیغمبروں کا اللہ کی طرف سے دنیا میں آنا برحق ہے، اور انبیائے کرامؑ کی زبانی اور انکے واسطہ سے خدا تعالی کا اپنے بندوں کو حکم کرنا اور تعلیم دینا برحق ہے، محمد ﷺ خدا کے آخری پیغمبر ہیں، آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں، آپؐ کی دعوت و رسالت، ساری دنیا کے لئے ہے، اس امتیاز و خصوصیت میں اور اسکے علاوہ اس جیسی دوسری خصوصیات میں وہ سب نبیوں میں افضل ہیں، آپؐ کی رسالت پر ایمان لائے بغیر ایمان معتبر نہیں اور کوئی دین حق نہیں، اسلام ہی واحد دین حق ہے، اسکے سوا کوئی اور دین خدا کے یہاں مقبول اور آخرت میں ذریعہ نجات نہیں، شریعت کے احکام بڑے سے بڑے خدا رسیدہ اور پرہیزگار و عبادت گزار ہستی سے بھی ساقط نہیں ہوتے۔

۷۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ رسول اللہ ﷺ کے بعد امام اور خلیفہ برحق تھے، پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ، صحابہ کرامؓ مسلمانوں۔ کے دینی قائد و رہنما ہیں۔ انکو برا بھلا کہنا حرام ہے۔ اور انکی عزت و تعظیم واجب ہے۔ (۱)

(۱) ماخوذ از "ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں" بحوالہ دستور حیات (ص ۶۹۔ ۷۴) معمولی ترمیم کے ساتھ۔

# دوسرا باب

# عبادات

عقائد کے بعد اسلام میں جس چیز کی بڑی اہمیت، جس پر بڑا زور اور جس کی بڑی تاکید کی گئی ہے وہ عبادات ہیں۔ جو انسانوں کی پیدائش کا اولین مقصد اور غرض وغایت ہے۔ اللہ پاک نے خود ارشاد فرمایا:

﴿وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون﴾ (الذاریات۔۶۵)

اور ہم نے جن اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ عبادت کریں۔

اسلامی شریعت کی رو سے ہر عاقل بالغ مسلمان۔ مرد و عورت پر چار چیزیں فرض ہیں۔ اور اسی لئے ان کو دین کے ارکان اربعہ (یعنی چار ستون) کہتے ہیں:

(۱) پانچ وقت کی نماز۔

(۲) اگر وہ زکوٰۃ کے شرائط پورے کرے تو سال میں ایک مرتبہ اپنے مال کی زکوٰۃ۔

(۳) رمضان کے روزے۔

(۴) اور خانہ کعبہ کا حج۔ (بشرطِ استطاعت) جو عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔

یہ وہ فرائض ہیں جن کا انکار کرنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور ان کا مستقل تارک (چھوڑنے والا) گویا جماعتِ مسلمین سے خارج ہے۔

# نماز

## اسلام کا پہلا رکن

ان عبادات میں اولین اور اہم رکن نماز ہے۔ یہ دین کا ستون ہے۔ یہ اسلام کا شعار اور مسلمان کی پہچان ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اسلام اور غیر اسلام کے درمیان حد فاصل (LINE OF DEMARCATION) اور وجہ امتیاز قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿واقیموا الصلوٰۃ ولاتکونوا من المشرکین﴾ (روم۔۳۱)

اور نماز پڑھتے رہو، اور مشرکوں میں سے نہ ہونا۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بین العبد وبین الکفر ترک الصلوٰۃ.

بندہ اور کفر کے درمیان (حدِ فاصل) ترک نماز ہے۔ (بخاری عن جابرؓ)

ایک دوسری روایت میں ہے:

بین الکفر والایمان ترک الصلوٰۃ.

بندہ اور کفر کے درمیان (حدِ فاصل) ترک نماز ہی ہے۔ (ترمذی)

نماز نجات کی شرط اور ایمان کی محافظ ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت و تقویٰ کی بنیادی شرائط کے طور پر بیان کیا ہے۔ نماز ہر آزاد اور غلام امیر و غریب، بیمار اور تندرست، مسافر اور مقیم ہر ایک پر ہمیشہ کے لئے اور ہر حال میں فرض ہے۔ کسی بالغ انسان

کو کسی حال میں اس سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا، البتہ کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر اور بیٹھ کر کے بھی نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو اشارہ سے پڑھ سکتا ہے۔ لیکن نماز معاف نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں بھی (خاص طریقہ پر) نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ اور صلوٰۃ الخوف کے نام سے موسوم ہے۔ سفر میں یہ رعایت ہے کہ چار رکعتوں والی نماز (ظہر، عصر، عشاء) دو رکعتوں میں ادا کرنے، اس میں سنتیں اور نوافل اختیاری رہ جاتی ہیں۔ اور ان کے مؤکدہ ہونے کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

نماز ایک ایسا فریضہ ہے جو کسی نبی اور رسول سے بھی ساقط نہیں ہوتا، چہ جائیکہ کسی ولی اور عارف و مجاہد سے۔ نماز مومن کے حق میں ایسی ہے جیسے مچھلی کے حق میں پانی، نماز مومن کی جائے پناہ اور جائے امن ہے۔ اور اگر نماز واقعی حقیقی نماز ہو تو وہ غیر اللہ کی عبادت، غیر اللہ کی غلامی، جاہلی زندگی اور اخلاقِ رزیلہ سے کوئی جوڑ نہیں کھاتی۔ اور دونوں میں کھلا ہوا تضاد ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر}
(سورۃ العنکبوت۔ ۴۵)

کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔(۱)

## نماز ایک روحانی غذا

چونکہ انسان کو اس زمین پر اللہ کا خلیفہ بننا تھا اور نہایت نازک منصب پر فائز ہونا تھا، اس لئے اس میں خواہشات بھی رکھی گئی ہیں اور کچھ ضرورتیں بھی اس کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہیں۔ اس میں جذبات بھی ہیں اور سوزِ محبت بھی، احساسِ الم بھی اور شعورِ مسرت بھی۔ ذوقِ جستجو اور شوقِ علم بھی۔ وہ زمین کے خزینوں اور دفینوں سے فائدہ اٹھانے اور ان کو

(۱) ماخوذ از دستورِ حیات صفحہ ۹۸۔ صفحہ ۹۳ بالاختصار

اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی پوری صلاحیت و قابلیت رکھتا ہے۔ اس نازک اور اہم منصب (خلافت ارضی) کی ذمہ داریوں کو نباہنے اور اس خاص مقصد کی تکمیل کے لئے جس کے لئے اس کی تخلیق کی گئی ہے اس کو اجرام فلکی، پہاڑوں، نباتات، جمادات اور حیوانات کی طرح مسلسل قیام، مسلسل رکوع، مسلسل سجود اور مسلسل تسبیح وذکر کا پابند نہیں بنایا گیا۔ بلکہ ان تمام باتون کے پیش نظر انسان کے لئے ایک ایسے طرز عبادت یا نظام عبادت کی ضرورت تھی جو اس کی فطرت فرائض منصبی، اس کائنات میں اس کے مرتبہ اور مقام کے ساتھ ہم آہنگ ہو، جو خلافت الٰہی کی صورت میں اس کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔

ایک طرف عبادت اس کیلئے ضروری بھی تھی اسلئے کہ اسکی فطرت کا تقاضا اس کے اور اس ذمہ داری اور فریضہ وجود کا منشاء اسکے ضمیر کی آواز اس کی شرافت واطمینان مندی اظہار انسانیت کی ضرورت اور قلب وروح کی غذا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ یہ عبادت اس کے قدو قامت اور شخصیت کے مطابق اور اس کی نازک اور اہم حیثیت اور اس کائنات میں اس کے منفرد مقام کے ساتھ ہم آہنگ ہو اور اس لباس کی طرح ہو جو اس کے قدو قامت پر پوری طرح راس آئے اور زیب دے۔ نہ تنگ ہو نہ ڈھیلا نہ کم ہو نہ زیادہ۔

نماز در حقیقت یہی لباس ہے جو ٹھیک اس کے وجود پر پورا اتر رہا ہے اور جس میں کسی قسم کی کوئی کمی بیشی نظر نہیں آتی

**﴿انا کل شیء خلقناہ بقدر﴾** ہم نے ہر چیز ایک خاص انداز سے پیدا کی ہے۔ (سورۃ القمر۔۴۹)

یہ پانچوں نمازیں (جو فرض کی گئی ہیں) ان ہی متعین اوقات میں ادا کرنا ضروری ہے جو اللہ نے مقرر فرمائے ہیں۔ قرآن مجید میں ان اوقات کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ ان پانچ نمازوں کے لئے رکعتیں بھی متعین ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔

# نماز کیسے پڑھی جائے

اللہ تعالیٰ نے نماز کو عزت و تعظیم، رقت و خشوع، و قار و سنجید گی، تعاون واجتماعیت کی ایک ایسی فضا اور ایسا ماحول عطاء کیا ہے جس کی نظیر کسی دوسرے مذہب وملت کی عبادت میں نہیں ملتی، اس کا اندازہ ہمیں ان حکیمانہ احکام و قوانین اور ہدایت و تعلیمات سے ہو گا جو آگے بیان کی جائیں گی۔

اب آپ ذرا معلوم کریں کہ نماز کس طرح ادا کی جائے۔ اس میں کیا پڑھا جائے۔ کیسے کھڑے ہوں اور کیسے جھکیں۔ اور کس طرح اس کو شروع اور ختم کریں۔

## اذان

سب سے پہلے اذان کو لیجئے جو پانچ وقت بلند آواز سے کہی جاتی ہے اور جس کی گونج سے کوئی قریہ، کوئی شہر اور مشترک آبادی کا کوئی محلہ مشکل سے خالی ہو گا، پہلے اذان کے الفاظ سنئے پھر اس کا ترجمہ پڑھئے:

اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلوۃ، حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللہ اکبر اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ

اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے پیغمبر ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ آؤ نماز کو، آؤ نماز کو، آؤ

کامیابی کو، آؤ کامیاب کو، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے۔

## اذان نماز کا اعلان اور اسلام کی دعوت

نماز کے اعلان اور دعوت کے لئے جو ندا (اذان) شارع نے مقرر فرمائی ہے اس میں صرف نماز کے مقاصد اور نماز کے معانی و حقائق کا اظہار نہیں بلکہ اس میں اسلام کے مقاصد، توحید کے شعار، اور دین کی روح کی بھی پوری وضاحت و بلاغت اختصار اور حسن و نغمہ کے ساتھ اس طرح سمودی گئی ہے کہ اس اعلان نے (جو موذن دن میں پانچ مرتبہ مسجد کے میناروں سے بلند کرتا ہے) اسلام کی متعین اور ٹھوس دعوت کی شکل اختیار کرلی ہے۔ یہ وہ منفرد اور واحد ندا ہے جو ہر قسم کے ظاہری اشکال اور آلات وغیرہ کی مدد سے پاک و محفوظ ہے اور اس میں دین کا لب لباب اور خلاصہ آگیا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اعلان بھی ہے کہ وہ ہر بڑے سے بڑا ہے۔ پھر اس میں دونوں شہادتیں موجود ہیں، توحید کی شہادت بھی اور رسالت کی شہادت بھی اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ اس میں نماز میں حاضری کی دعوت اور اس کا اظہار ہے کہ وہ دنیا و آخرت دونوں جگہ فلاح کا راستہ ہے اور اس کے بغیر فلاح کسی جگہ حاصل نہیں کی جاسکتی، ان سب باتوں کی وجہ سے اذان ایک ایسی جامع اور مکمل دعوت اور بلیغ اعلان بن گئی ہے جو قلب اور عقل دونوں کو ایک وقت مخاطب کرتا ہے۔ مسلم و غیر مسلم دونوں کو متوجہ کرتا ہے۔ سست آدمی میں چستی پیدا کرتا ہے اور غافل کو ہوشیار و بیدار کرتا ہے۔

## پاکی

نماز کے لئے طہارت اور وضو کا حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یاایها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین، وان کنتم جنبا فاطهروا، وان کنتم مرضیٰ او علی سفر او جاء احد منکم من الغائط اولٰمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیداً طیبا فامسحوا بوجوهکم وایدیکم منه ما یرید اللّٰه لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطهرکم ولیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون﴾

(سورۃ مائدہ۔۶)

اے ایمان والو جب تم نماز کو اٹھو تو اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو۔ اور اپنے سروں پر مسح کرلیا کرو اور اگر تم حالت جنابت میں ہو تو (سارا جسم) پاک صاف کرلو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی استنجا سے آئے یا تم نے عورت سے صحبت کی ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرلیا کرو۔ یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں کو اس سے مسح کرلیا کرو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تمھارے اوپر تنگی ڈالے بلکہ وہ

(تو یہ) چاہتا ہے کہ تمھیں خوب پاک صاف رکھے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے تاکہ تم شکر گزاری کرو۔

پاکی کا یہ اہتمام اور وضو اگر ایمان واحتساب(۱) کے ساتھ عمل میں آئے تو وہ

---

(۱) ایمان واحتساب کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے اجر وثواب پر پورا یقین ہو اور وہ ان اعمال کو شوق وعظمت کے ساتھ انجام دے، اعمال کی قبولیت اور وزن میں اس کو بڑا دخل ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مسلم (یا مومن) بندہ وضو کرتا ہے اور اپنا منھ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے ہر گناہ جو اس نے اپنی نگاہوں سے کیا ہے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ دھل جاتا ہے، جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے =

انسان کے اندر ایک قسم کی بیداری اور چستی، خیال ولحاظ کی کیفیت اور نماز کے استقبال اور اس کے نور وسکینت کو قبول کرنے کی استعداد وصلاحیت پیدا کردیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے وضو وطہارت کے فوائد کی تکمیل اور نماز کی تیاری کے لئے (جو درحقیقت مومن کی اللہ تعالیٰ سے سرگوشی اور دعا ومناجات ہے) مسواک کرنے کی بھی تعلیم فرمائی ہے۔ اور بہت تاکید کے ساتھ اس کی ترغیب دی ہے۔ اور یہاں تک ارشاد فرمایا کہ اگر اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں لوگوں کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (بخاری ومسلم)

## نماز سے پہلے وضو

نماز سے پہلے مسلمان کو وضو کرنا ہوتا ہے، وضو طہارت کے اس خاص طریقہ کا نام ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی، وضو میں پہلے پہونچوں تک تین مرتبہ (۱) ہاتھ دھوئے جاتے ہیں پھر تین مرتبہ کلی کی جاتی ہے پھر تین مرتبہ ناک پانی سے صاف کی جاتی ہے، پھر تین مرتبہ منہ کو ماتھے کے بالوں سے ٹھڈی کے نیچے تک، اور اس کان کی لو سے اس کان کی لو تک دھوتے ہیں۔ پھر داہنا ہاتھ کہنیوں سمیت تین مرتبہ دھوکر بایاں ہاتھ کہنیوں سمیت تین بار دھوتے ہیں، پھر ایک بار سارے سر کا مسح کرتے ہیں۔ یعنی ہاتھ ترکر کے سر کے بالوں پر ایک بار پھیر لیتے ہیں، پھر داہنا پاؤں ٹخنوں تک تین مرتبہ دھوتے ہیں پھر بایاں پاؤں اسی طرح دھوتے ہیں، پیشاب، پاخانہ اور ریاح وغیرہ کے خارج ہونے سے یہ وضو

---

= ہاتھوں کے سارے گناہ جو اس کے ہاتھوں سے سرزد ہوئے ہیں وہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے بالکل صاف وپاک ہوجاتا ہے۔ صحیح مسلم وموطا میں اتنا اضافہ ہے کہ جب وہ اپنے پیر دھوتا ہے تو اس کے پیروں سے جن سے چل کر اس نے کوئی گناہ کیا ہے سب گناہ دھل جاتے ہیں۔ (ترمذی)

(۱) تین مرتبہ دھونا مسنون ہے۔ وضو ویسا ایک مرتبہ دھونے سے بھی ہوجاتا ہے۔

ضروری ہو جاتا ہے اور اسکے بغیر نماز درست نہیں ہوتی، سو جانے سے بھی وضو کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ ایک وضو سے (اگر وہ نہ ٹوٹے) کئی کئی وقت کی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

## مسجد میں مسلمان کا معمول اور طریقہ

مسجد جا کر اگر وضو ہے تو اسی وقت ورنہ وضو کر کے آدمی سنت یا نفل میں مشغول ہو جاتا ہے، اگر وہ اس سے فارغ ہو چکا ہے تو خاموش نماز کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے یا قرآن شریف کی تلاوت یا اپنے ورد و وظیفہ میں مشغول ہو جاتا ہے۔ جماعت کا وقت آتا ہے تو پہلے اقامت کہی جاتی ہے جو جماعت کے شروع ہونے کا اعلان ہے۔ اس میں سب وہی الفاظ ہیں جو اذان میں کہے جاتے ہیں۔ صرف دو جملے زائد ہوتے ہیں۔ **قدقامت الصلوٰۃ قدقامت الصلوٰۃ**. نماز کھڑی ہونے جارہی ہے، نماز کھڑی ہونے جارہی ہے۔

## صف بندی اور امام و مقتدی کی جماعت

جو لوگ مسجد میں منتشر یا کسی خیر میں مشغول ہوتے ہیں سب صف میں آکر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اقامت کے خاتمہ پر امام جو محلّہ کا کوئی عالم دین یا حافظ قرآن یا کوئی پڑھا لکھا مسلمان ہوتا ہے(۱) تکبیر کہتا ہوا کانوں کی لو تک ہاتھ اٹھا کر ناف پر باندھ لیتا ہے اور نماز شروع کر دیتا ہے اور اس طرح وہ اور مقتدی غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے ہوئے خدا کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ نمازیوں سے آگے درمیان میں کھڑا ہوتا ہے، کچھ دیر امام و مقتدی سب خاموش رہ کر ایک دعا پڑھتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) اسلام میں اماموں اور عالموں کا کوئی مخصوص طبقہ (Priest Class) نہیں جن کے بغیر مسلمانوں کی عبادتیں نہ ادا ہو سکیں۔ کوئی اہل مسلمان اس فریضہ کو انجام دے سکتا ہے، لیکن اب انتظامی مصلحتوں اور سہولت کی وجہ سے اکثر مسجدوں میں امام اور مؤذن مقرر ہیں اور چونکہ وہ اس کام کے لئے اپنے کو فارغ کر دیتے ہیں اس لئے محلّہ یا مسلمانوں کی جماعت یا اوقاف سے ان کو تنخواہ دی جاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالیٰ جدك ولا اله غيرك | اے اللہ تو خوبیوں والا ہے اور تیرا نام مبارک ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ |

پھر اگر نماز جہری ہوتی ہے تو وہ آواز سے قراءت شروع کر دیتا ہے(۱) اس دعا سے فارغ ہونے کے بعد وہ سورہ فاتحہ پڑھتا ہے، یہ ہر نماز میں پڑھی جانے والی سورۃ ہے، اور یہ قرآن مجید کا دیباچہ Preface اور اسلام کا خلاصہ ہے۔ یہ قرآن مجید کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا حصہ اور اسکا اسلام میں بڑا درجہ ہے، اسلئے اسکو یہاں مع ترجمہ کے نقل کیا جاتا ہے

| | |
|---|---|
| ﴿بسم الله الرحمن الرحيم . الحمدلله رب العٰلمين. الرحمن الرحيم . مالك يوم الدين اياك نعبد واياك نستعين. اهدنا الصراط المستقيم. صراط الذين انعمت عليهم. غيرالمغضوب عليهم ولاالضالين.﴾ | شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، انصاف کے دن کا حاکم ہے، اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں، ہمکو سیدھے راستہ چلا ان لوگوں کے راستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا نہ انکے جن پر غصہ ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کا۔ |

اس سورۃ کے ختم پر امام اور مقتدی "آمین" کہتے ہیں، جسکے معنی ہیں (اے اللہ

(۱) پانچ نمازوں میں تین نمازیں جہری ہیں، مغرب، عشاء، فجر اور دوسری یعنی ان میں سوائے تکبیروں کے امام زور سے کچھ نہیں پڑھتا وہ ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں۔

ہماری دعا قبول فرما)

سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن مجید کے کسی ایسے حصہ کی تلاوت کا حکم ہے جو یاد ہو اور آسانی سے ذہن میں آجائے، چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے " فاقرؤا ما تیسر من القرآن اسکا مقصد یہ ہے کہ یہ معانی وکیفیات اچھی طرح دلنشین ہو جائیں، انکو مزید قوت اور غذا حاصل ہو، انکی اچھی طرح تشریح وتفصیل ہو سکے اور انکی جڑیں گہری اور مضبوط ہو جائیں، اسلئے کہ نماز عبادت بھی ہے اور تعلیم بھی۔

امام قرآن شریف کی کوئی سورۃ یا قرآن کی کچھ آیات پڑھتا ہے، یہاں پر دو مختصر ترین سورتیں ترجمہ کے ساتھ نقل کی جاتی ہیں:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم .

شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

﴿والعصر . ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق. وتواصوا بالصبر.﴾

زمانہ گواہ ہے کہ انسان نقصان میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم .

شروع خدا کا نام لیکر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

﴿قل ھو اللہ احد . اللہ الصمد . لم یلد . ولم یولد . ولم یکن لہ کفوا احد .﴾

کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ (ہے) ایک ہے (وہ) معبود برحق جو بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اسکا ہمسر نہیں۔

اسکے بعد امام تکبیر کہتا ہے اور سب نیم ایستادہ ہو جاتے ہیں۔ اسکو رکوع کہتے ہیں۔ اسمیں تین بار یا اس سے زائد "سبحان ربی العظیم " (پاک ہے میرا عظمت پروردگار)

کہا جاتا ہے پھر امام کہتا ہے "سمع اللہ لمن حمدہ" (اللہ نے اسکو سنا جس نے اسکی حمد بیان کی) اور لوگ ذرا دیر کے لئے سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مقتدی "ربنا لک الحمد" (اے ہمارے رب تیرے واسطے سب خوبیاں ہیں) کہتے ہیں پھر امام "اللہ اکبر" کہتے ہوئے سجدہ میں جاتا ہے اور مقتدی بھی اسکی پیروی کرتے ہیں، سجدہ میں پیشانی اور ناک زمین پر ہوتی ہے، دونوں ہتھیلیاں کھلی ہوئی زمین پر ٹکی ہوتی ہیں، کہنیاں زمین سے اٹھی ہوئی اور بغلوں سے الگ ہوتی ہیں گھٹنے زمین سے لگے ہوتے ہیں، سجدہ میں تین بار یا اس سے زائد "سبحان ربی الاعلی" (میرا رب سب سے بلند ہے) کہا جاتا ہے، اسکے بعد "اللہ اکبر" کہتے ہوئے خاص ہیئت سے سیدھے بیٹھ جاتے ہیں، پھر "اللہ اکبر" کہتے ہوئے اسی طرح دوسرے سجدہ میں جاتے ہیں۔

سجدہ پوری نماز میں خدا کے قرب کی سب سے آخری شکل ہے اور خدا کو سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے حدیث میں آتا ہے کہ :۔

| | |
|---|---|
| اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو مساجد فاکثروا الدعاء . | بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب سجدہ میں ہوتا ہے اسلئے اسمیں خوب دعا کرو۔ |
| (ابوداؤد، نسائی) | |

چنانچہ نمازی اس قیمتی موقع کو غنیمت جانتا ہے اور اپنا کلیجہ نکال کر خدا کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسکی وہی ترکیب ہے جو پہلی رکعت میں گزری، اسی پر ہر رکعت کو قیاس کرنا چاہئے، ہر دو رکعت کے بعد بیٹھنا ضروری ہے اور جس قعدہ کے بعد سلام پھیرنا ہوتا ہے تو حسب ذیل دعا کا اور اضافہ کیا جاتا ہے۔

التحيات لله والصلوت والطيبات السلام عليك ايهاالنبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباداللهالصالحين اشهدان لااله الاالله واشهدان محمدا عبده ورسوله.

سب سلام اور رحمتیں اور پاک چیزیں خدا ہی کے لئے ہیں، اے اللہ کے نبی تم پر خدا کی رحمت اور سلام ہو اور اسکی برکت نازل ہو اور سلام ہم پر اور خدا کے نیک بندوں پر ہو، میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد ﷺ اسکے بندے اور رسول ہیں۔

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد، اللهم بارك على محمدوعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميدمجيد.

اے اللہ حضرت محمدؐ اور انکی آل پر رحمت نازل فرما جیسا کہ تونے حضرت ابراہیمؑ اور انکی آل پر نازل فرمائی ہے، یقیناً تو تمام خوبیوں والا ہے اے اللہ برکت نازل کر حضرت محمدؐ اور انکی آل پر جیسی برکت نازل کی ہے حضرت ابراہیمؑ اور انکی آل پر یقیناً تو خوبیوں والا اور بزرگی والا ہے۔

﴿ربنا آتنا فى الدنيا حسنة وفى الآخرة حسنة وقنا عذاب النار﴾ (البقره. ٢٠١)

اے اللہ ہم کو دے دنیا اور آخرت میں بھلائی اور جہنم کے عذاب سے بچا۔

اللهم انی اعوذبك من عذاب جهنم واعوذبك من عذاب القبر واعوذبك من فتنة المحيا والممات واعوذبك من شر فتنة المسيح الدجال.

اے اللہ بچا مجھکو عذاب جہنم اور عذاب قبر سے اے اللہ پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائش اور مسیح دجال کے فتنہ کے شر سے۔

# مومن کی خود اعتمادی اور اسکی جماعت اور گروہ کا تعین

اللہ تعالی کی حمد و ثنا کا حق ادا کرنے اور اس نبی محمد رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کے بعد نمازی کو بھی اس سلام ورحمت میں سے کچھ حصہ ضرور ملتا ہے، جسکا وہ محتاج اور متمنی ہے اور جو اسلام کا شعار اور مسلمانوں کا سلام ہے وہ کہتا ہے "السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین" (سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر) اس طرح اسکے مقام اور حیثیت کا تعین اور اظہار ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر جگہ اور ہر دور میں صالحین کے ساتھ ہے اور سلام واخوت اور سلامتی ورحمت میں انکا شریک اور برابر کا حصہ دار ہے، یہ بات اس میں امید و خود اعتمادی پیدا کرتی ہے۔ مایوسی افسردگی اور (ماہرین نفسیات کی جدید اصطلاح میں) احساس ² ی کو زائل کرتی ہے۔ وہ اس کو اس امت کے دوسرے نمازیوں (جن میں بڑے بڑے علماء وفضلاء اور صالحین واہل اللہ شامل ہیں) کیساتھ ایک صف میں کھڑا کر دیتی ہے اور سب کو ایک مرتبہ دیتی ہے۔

﴿اولئك حزب الله الآ انّ حزب الله هم المفلحون﴾ (سورة مجادله. ۲۲)

یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں، خوب سن لو کہ اللہ ہی کے گروہ والے فلاح پانے والے ہیں۔

پھر نمازی اپنے لئے دعا کرتا ہے، اور عذاب قبر، عذاب جہنم، زندگی وموت کی آزمائشوں اور لغزشوں اور المسیح الدجال کے فتنہ کے شر سے خدا کی پناہ چاہتا ہے اس لئے کہ یہ سب چیزیں اس قابل ہیں کہ ان سے خدا کی پناہ مانگی جائے، اور ان کے شر اور فتنہ سے

حفاظت کی دعا کی جائے، حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نوح کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو اور میں بھی تم کو اس سے ڈراتا ہوں اور ہوشیار رہنے کی تلقین کرتا ہوں۔

## نماز کا حسن اختتام

نماز کے اختتام پر سارے آداب وشرائط کو حسن وخوبی سے ادا کرنے کے بعد اور اس کے تمام حقوق کی تکمیل کے باوجود نمازی اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتا ہے اور گویا زبان حال سے یہ کہتا ہے ماعبدناك حق عبادتك (ہم نے آپ کی ویسی عبادت نہ کی جیسا عبادت کرنے کا حق تھا) وہ نماز کا اختتام ان الفاظ پر کرتا ہے جو نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو (جو آپ کے بعد امت میں افضل ترین شخص ہیں) تلقین فرمائے تھے:

| | |
|---|---|
| ﴿ اللهم انی ظلمت نفسی ظلماً كثيراً ولا يغفرالذنوب الاانت فاغفرلي مغفرة مّن عندك وارحمني انك انت الغفور الرحيم ﴾(۱) | (اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا ہے اور تیرے سوا نہیں ہے کوئی ان گناہوں کو معاف کرنے والا، پس تو اپنے خاص عفو وکرم سے مجھے معاف فرما اور مجھ پر رحم فرما، بیشک تو مغفرت کرنے، رحم کرنے والا ہے۔ |

اس طرح اس افضل عبادت کا خاتمہ اعتراف تقصیر اور احساسِ ندامت پر ہوتا ہے اور کسی صحیفہ اعمال کے خاتمہ کے لئے اس سے زیادہ مناسب وموزوں چیز کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

---

(۱) صحیح بخاری۔

## مساجد اور مسلم معاشرہ میں ان کی اہمیت و مرکزیت

اس مقصد کے لئے ایسی مساجد تعمیر کی گئیں جو اپنی سادگی و سنجیدگی، سکنیت ولطافت، اپنی پر کیف روحانی فضا، پر سکون ماحول اور توحید کے کھلے ہوئے نمایاں شعائر میں دوسرے مذاہب واقوام کی عبادت گاہوں سے بالکل مختلف ہیں۔

﴿فی بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمه یسبح له فیھا بالغدوّ والآصال رجال لا تلھیھم تجارة ولا بیع عن ذکر اللّٰہ واقام الصلوة وایتاء الزکوة یخافون یوماً تتقلب فیه القلوب والابصار﴾

(سورۂ نور۔۳۶۔۳۷)

(وہ) ایسے گھروں میں ہیں جن کے لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے ان میں وہ لوگ صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، ایسے لوگ جنھیں نہ تجارت، غفلت میں ڈال دیتی ہے نہ (خرید و) فروخت اللہ کی یاد سے اور نماز پڑھنے سے اور زکوۃ دینے سے، وہ ڈرتے رہتے ہیں۔ ایسے دن سے جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

﴿وان المسجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ احداً﴾ (سورة جن . ۱۸)

اور یہ کہ مسجدیں (خاص) خدا کی ہیں تو خدا کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

﴿واقیموا وجوھکم عند کل مسجد وادعوہ مخلصین له الدین﴾ (سورة اعراف. ۲۹)

اور ہر سجدہ کی جگہ اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور اسے (یعنی اللہ کو) پکارا کرو، دین کو اسی کے واسطے خالص کر کے۔

﴿یبنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد﴾ (سورۂ اعراف۔۳۱)

اے اولاد آدم! ہر سجدہ گاہ کے موقع پر اپنا لباس پہن لیا کرو۔

مساجد بجا طور پر مسلمانوں کا دینی مرکز اور ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و رہنمائی کا سرچشمہ بن گئی تھیں، ان میں مسلمانوں کے اجتماعی و دینی معاملات حل کئے جاتے تھے۔ زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف مہموں میں ان کو احکام دیئے جاتے تھے، جب کوئی بڑا واقعہ پیش آتا یا کوئی مہم درپیش ہوتی اور مسلمانوں کو نئی ہدایت اور نئی رہنمائی کی ضرورت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ حکم دیتے کہ مسلمانوں میں اعلان کر دیا جائے ﴿الصلوۃ جامعۃ﴾ (یعنی دوسرے محلوں اور دور دور کے مسلمان بھی آج نماز مسجد نبوی میں پڑھیں کہ کوئی اہم بات کہنی ہے۔

مسجدوں کو یہ مرکزیت و جامعیت برابر حاصل رہی، ساری زندگی اسی محور کے گرد گھومتی تھی، علم و ہدایت کے سرچشمے، اصلاح و ارشاد کی تحریکیں سب اسی مرکز سے پیدا ہوتی اور پھیلتی تھیں۔

## جمعہ ہفتہ کی عید

جمعہ کے دن ظہر کی نماز کے بجائے جمعہ کی مخصوص نماز ہوتی ہے وقت اسکا وہی ہے جو ظہر کا ہے اسمیں ایک طرف تو یہ کمی کر دی گئی ہے کہ چار رکعت کے بجائے دو رکعت ہوتی ہیں دوسری طرف یہ اضافہ ہے کہ نماز سے پہلے خطبہ ہوتا ہے اور نماز جہری ہوتی ہے۔

## جمعہ۔ اسکا درجہ اور خصوصیات

جمعہ کی نماز بہت سے ایسے آداب، ترغیبات اور متعدد ایسی خصوصیات اور اضافوں پر مشتمل ہے جنکی وجہ سے اسکی جلالت، شان اور عظمت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے اور ان سے عبادات اور تقرب الی اللہ، مسلمانوں کی وحدت اور تعاون ﴿علی البرو التقوی﴾ کا نیا جذبہ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:۔

﴿یایها الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون﴾

ترجمہ۔ اے ایمان والو جب جمعہ کے دن اذان کہی جائے تو نماز کے لئے چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ (سورہ جمعہ۔۹)

حدیث شریف میں ہے:۔

﴿من ترک ثلاث جمع تھا ونابھا طبع اللہ علی قلبہ﴾ (۱)

ترجمہ۔ جو تین جمعے سستی و سہل انگاری میں چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالی اسکے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

جمعہ کی نماز کے لئے غسل کرنے، مسواک کرنے، خوشبو لگانے اور زیادہ سے زیادہ پاکی و لطافت کا اہتمام کرنے کا حکم ہے اور اسمیں نماز سے قبل خطبہ بھی دیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ جمعہ کا جو خطبہ دیتے تھے وہ کوئی ایسا تقلیدی اور روایتی خطبہ نہ تھا جسمیں نہ زندگی ہوتی ہے نہ روح، اور نہ کوئی پیغام و رہنمائی بلکہ وہ زندگی اور واقعات کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہوتا تھا۔ خطبہ کو بہت خاموشی اور سکون کے ساتھ سننے کا حکم ہے تاکہ اس پر سکون اور روحانی فضا میں اسکا پورا اور صحیح فائدہ حاصل ہو سکے، اسلئے کہ یہ عبادت کا محل ہے نہ کہ خطابت کا، خطبہ کے دوران گفتگو کو سختی سے منع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے آدمی کو بات چیت کرنے سے روکنا بھی منع ہے، اسلئے کہ اس سے بھی سکون و وقار میں فرق آجائے گا جو خطبہ میں مطلوب ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے جمعہ کے دن (خطبہ کے وقت) اپنے ساتھی سے کہا کہ خاموش رہو اس نے بھی زائد اور فضول بات کی۔

---

(۱) اصحاب سنن۔

## ایک عربی خطبہ کا ترجمہ

یہاں نمونہ کے طور پر ایک عربی خطبہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:-

”حمد و صلوۃ کے بعد ”لوگو! توحید کو اختیار کرو (اللہ کو اپنی ذات و صفات میں ایک سمجھو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھو) اسلئے کہ توحید خدا کی سب سے بڑی فرمانبرداری اور سب سے برگزیدہ عمل ہے، ہر کام میں اللہ سے شرم و لحاظ کرو، اسلئے کہ یہ شرم و لحاظ کی عادت تمام نیکیوں کی بنیاد ہے، رسول اللہ ﷺ کے طور و طریق (سنت) کو مضبوط پکڑو، اسلئے کہ سنت، اطاعت و فرمانبرداری کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور جو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کریگا وہ صراط مستقیم پر گامزن اور منزل مقصود کا پانے والا ہوگا۔ دین میں جو نئی نئی باتیں (بدعات) نکالی گئی ہیں ان سے ہمیشہ دور رہنا، اسلئے کہ انکا نتیجہ خدا کی نافرمانی اور گمراہی ہے، اپنی پوری زندگی میں سچائی کا شیوہ اختیار کرو اسلئے کہ سچائی میں نجات اور جھوٹ میں ہلاکت ہے، احسان اور سلوک کو اپنی زندگی کا دستور بناؤ اسلئے کہ اللہ کو احسان کرنے والے محبوب ہیں اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو، اسلئے کہ وہ تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، دنیا پر فریفتہ نہ ہو کہ سب کچھ کھو بیٹھو، دیکھو کسی کو اس وقت تک موت نہیں آسکتی جب تک کہ اس کو اسکی مقدور روزی نہ پہونچ جائے، اسلئے خدا کی نافرمانی اور حلال و حرام جائز و ناجائز طریقہ پر روزی کمانے کی کوشش فضول ہے، اپنے مقاصد کے حصول کے لئے وسائل بھی اچھے اختیار کرو، اپنے سب کاموں میں خدا پر بھروسہ رکھو اسلئے کہ اسکو اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کا بڑا خیال ہے، دعا میں کمی نہ کرو اسلئے کہ خدا سب کی سنتا اور سب کی جھولی بھرتا ہے اس سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے رہو اور استغفار کرتے رہو اس سے تمھارے مال و اولاد میں برکت ہوگی، اللہ تعالی قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

﴿وقال ربکم ادعونی استجب لکم، ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون

جھنم داخرین﴾
ترجمہ۔ تمھارے پروردگار نے کہہ دیا ہے کہ مجھ سے مانگو میں قبول کرونگا بے شک جن لوگوں کو میری بندگی اختیار کرنے سے عار آتا ہے اور انکی شان کو بٹہ لگتا ہے، وہ دوزخ میں ذلیل وخوار ہو کر جائیں گے۔ (المؤمن۔ ۶۰)

اللہ ہمکو اور تمکو قرآن کی دولت میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ عطا فرمائے، اور ہمکو اور تمکو اسکی آیتوں اور اسکی حکیمانہ نصیحتوں سے فائدہ پہونچائے، میں اپنے لئے تمھارے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے خدا سے مغفرت کی دعا کرتا ہوں تم بھی اس سے مغفرت چاہو، بے شک وہ بڑا غفور ورحیم ہے"۔

## نمازیں جدا ہیں اور نمازیوں کے مرتبے بھی جدا

نماز کوئی ایسا آہنی سانچہ یا چوب خشک کی طرح کوئی جامد اور محدود چیز نہیں، جسمیں سب یکساں ہوں اور ہر نمازی ایک سطح پر رہنے کے لئے مجبور اور اس سے آگے بڑھنے سے قاصر ہو، وہ دراصل ایک بہت بڑا اور وسیع وعریض میدان ہے، جہاں نمازی ایک حال سے دوسرے حال تک اور عروج سے کمال تک اور کمال سے ان منزلوں تک پہونچتا ہے، جو اسکے تصور وخیال سے بھی ماوراء ہیں، اسمیں لوگوں کا مرتبہ ومقام ایک دوسرے سے بہت مختلف اور جدا ہے، اور سب کی سطح الگ ہے، غفلت اور جہالت والی نماز استحضار اور تفقہ والی نماز کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے؟ اسی طرح عامۃ المسلمین اور عارفین واہل یقین کی نماز ایک درجہ پر کیسے رکھی جا سکتی ہے، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ آج کی نماز کل والی نماز سے یا چند ماہ اور چند سال پیشتر والی نماز سے مشابہ ہو اور نمازی ہمیشہ ایک ہی معیار کی نماز پڑھتا رہے۔

اسی لئے قرآن مجید میں نمازوں کا ذکر دو طرح آتا ہے، ایک کا برائی کے ساتھ ایک کا اچھائی کے ساتھ، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:۔

﴿فويل للمصلين الذين هم عن صلوٰتهم ساهون الذين هم يراؤن ويمنعون الماعون﴾

ترجمہ۔ سو بڑی خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں (اور) جو ایسے ہیں کہ ریاکاری کرتے ہیں اور حقیر چیزوں تک روکے رہتے ہیں۔

(سورہ ماعون۔ ۴،۵،۶،۷)

دوسری قسم کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:۔

﴿قد افلح المومنون الذين هم فى صلوتهم خاشعون .﴾

(سورہ مؤمنون۔ ۱،۲)

ترجمہ۔ یقیناً (وہ) مومنین فلاح پاگئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی دو قسم کی نمازوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک خشوع و خضوع اور رقت و کیفیت والی نماز اور ایک غفلت و لاپرواہی والی ناقص نماز، پہلی قسم کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

﴿وقد توضأ فاحسن الوضوء (ثم قال) من توضا وضوئى هذا ثم يصلى ركعتين لا يحدث فيها بشئى غفرله ماتقدم من ذنبه﴾(۱)

ترجمہ۔ آپ نے وضو کیا، اور اچھا وضو کیا (پھر ارشاد ہوا) جو میرے وضو کی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور اس میں اپنے دل کے اندر کوئی خیال نہ لائے تو اسکے سارے گزشتہ گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر کھڑے ہوکر دو رکعت ادا کرتا ہے اور اپنے دل اور چہرہ دونوں کے ساتھ نماز کی طرح متوجہ رہتا ہے تو اس پر جنت واجب ہوجاتی ہے (۲)۔"

(۱) بخاری و مسلم روایت حضرت عثمان بن عفانؓ (۲) مسلم

دوسری نماز کے متعلق عمار بن یاسرؓ آپ سے روایت کرتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی نماز سے فارغ بھی ہو جاتا ہے، اور اسکو اسکی نماز کا صرف دسواں حصہ نصیب ہوتا ہے، اور بعض اوقات نواں آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی، اور نصف (۱)۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "سب سے برا آدمی وہ ہے جو اپنی نماز چرالیتا ہے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اپنی نماز کس طرح چراتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہ رکوع ٹھیک کرتا ہے نہ سجدہ (۲)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہتا ہے، جب آفتاب زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کی دونوں سینگوں کے بیچ میں پہونچ جاتا ہے تو کھڑا ہو کر جس طرح مرغی چونچ مارے اس طرح عجلت کے ساتھ چار رکعت پڑھتا ہے جس میں اللہ تعالی کی یاد کم ہی ہوتی ہے (۳)

نماز میں لوگوں کے مراتب مختلف ہیں، ایک کی نماز کو دوسرے کی نماز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی نماز سب سے زیادہ افضل، اکمل اور اعلی وارفع تھی اور خدا کی میزان میں اسکا وزن سب سے زیادہ تھا، حضرت ابو بکرؓ کی نماز کسی دوسرے کی نماز کی بہ نسبت حضورؐ کی نماز سے سب سے زیادہ مشابہ اور قریب تھی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات میں ان کو اپنی جگہ امامت کا حکم فرمایا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس رائے کے باوجود کہ حضرت عمرؓ نماز پڑھائیں، آپؐ نے فرمایا "ابو بکرؓ سے کہو نماز پڑھائیں (۴) چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔

اسکے علاوہ لوگوں کے درجہ اور مرتبہ کا صحیح اندازہ نماز سے جتنا ہو سکتا ہے، اتنا کسی اور چیز مثلاً علم، ذہانت اور کسی علمی خدمت سے نہیں ہو سکتا، نماز ہی وہ صحیح پیمانہ ہے، جس پر

---

(۱) مسلم۔ (۲) نسائی (۳) بخاری (۴) بخاری

انسان کے دین کا اور اسلام میں اسکے مقام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اسلامی تاریخ میں جن شخصیتوں کا نام زندہ جاوید ہے اور جو اپنے ہمعصروں میں بہت ممتاز نظر آتی ہیں، انکو یہ مرتبہ و مقام اور یہ بقاء دوام اسی نماز میں امتیاز و خصوصیت پیدا کرنے اور اسکے درجہ احسان تک پہونچنے سے حاصل ہوا ہے۔

❁❁❁

# اسلام کا دُوسرا رُکن

## زکوٰۃ

﴿ فان تابو او اقاموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ فاخو انکم فی الدین ﴾

ترجمہ۔ لیکن اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوۃ دینے لگیں تو وہ تمھارے بھائی ہو جائیں گے دین میں۔ (سورہ توبہ۔۱۱)

### اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت اور شرعی حیثیت

قرآن مجید میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ۸۲ مقامات پر آیا ہے چنانچہ۔ اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ۔ سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے، اسکے علاوہ مسلمانوں کے اوصاف جہاں جہاں بیان کئے گئے ہیں، وہاں بھی ہمیشہ ' یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ(۱) آیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو اسلام کے بنیادی ارکان میں شمار فرمایا ہے، آپ کا ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا رمضان کے روزے رکھنا اور حج کرنا۔

آپؐ سے پوچھا گیا کہ "اسلام کیا ہے؟ آپؐ نے جواب دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو(۲)" ضمام بن ثعلبہ کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ حضورؐ سے دریافت کیا کہ میں اللہ کی قسم دلا کر آپؐ سے پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالی نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے کہ آپؐ

---

(۱) سورہ مائدہ۔۵۵ (۲) شیخین روایت ابوہریرہؓ

ہمارے اغنیاء سے زکوۃ حاصل کریں، اور فقراء میں تقسیم کردیں، آپؐ نے فرمایا "ہاں بالکل"۔

اس موضوع پر احادیث اس کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے وہ حد تواتر کو پہونچ چکی ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ زکوۃ نماز کے ساتھ لازم و ملزوم ہے اور صدیوں اور نسلوں سے برابر اس پر عمل ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نماز کے قیام اور زکوۃ کی ادائیگی کو اسلام کی صحت و قبولیت، اسکے احکام کی بجا آوری اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلح اور مسلمانوں کے ساتھ اخوت کی علامت قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:۔

﴿فان تابوا واقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة فخلوا سبيلهم ان الله غفور رحيم.﴾ (سورہ توبہ. ۵)

ترجمہ۔ پھر اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوۃ دینے لگیں تو انکا راستہ چھوڑ دو، بیشک اللہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے، بڑا رحمت والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

﴿فان تابوا واقاموا الصلوٰة وآتوا الزكوٰة فاخوانكم في الدين ونفصل الآيت لقوم يعلمون.﴾ (سورہ توبہ۔۱۱)

ترجمہ۔ لیکن اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے دین میں، اور ہم آیتوں کو علم والوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

## اسلام کے اقتصادی نظام کا بنیادی تخیل ہر چیز خدا کی ملکیت ہے

قرآن مجید نے تمام انسانی معاملات کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردیا ہے اور انسان کو

صرف ایک چیز کا ذمہ دار بنایا ہے اور وہ چیز ہے منصب خلافت۔
وہ مسلمانوں سے کبھی اس انداز سے مخاطب ہوتا ہے۔

﴿وآتوهم من مال الله الذى اتكم.﴾ (سورہ نور۔ ۳۳)

ترجمہ۔ اور اللہ کے اس مال میں سے بھی انھیں دو جو اس نے تمھیں عطا کیا ہے۔
کبھی اس طرح:۔

﴿وانفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه.﴾ (سورہ حدید۔ ۷)

ترجمہ۔ اور جس مال میں سے اس نے تم کو دوسروں کا جانشین بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

آیت بالا میں اسکا اعلان صاف طریقہ پر موجود ہے کہ ان تمام اشیاء کا حقیقی مالک اور حقیقی وارث اللہ تعالیٰ ہے، اسلئے انسان اگر چند پیسے اسکی راہ میں خرچ کردیتا ہے تو اسکو اس پر فخر و ناز کا کوئی حق نہیں۔

﴿ومالكم ان لا تنفقوا فى سبيل الله ولله ميراث السموت والارض.﴾

(سورہ حدید۔ ۱۰)

ترجمہ۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہو درانحالیکہ آسمان اور زمین سب آخر میں اللہ ہی کے رہ جائیں گے۔

اس صورت حال کا تقاضا بلکہ قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی ہر ملکیت سے دستبردار ہو جائے اور اسکو اپنی زمین و جائداد میں ادنٰی تصرف کا حق باقی نہ رہے، اور وہ بالکل مقید پابند اور معطل ہو جائے۔

## انسان کی طرف مال کی اضافت کا راز اور اسکے مصالح

لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت و حکمت نے انسان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا اور ان

اموال واملاک اور انسانی جد وجہد کے ثمرات ونتائج کو صرف خدا کی طرف منسوب کر کے انسان کو اس سے محروم نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو اس میں تعجب یا چوں وچرا کی کوئی بات نہ تھی، لیکن اس سے انسان خود اعتمادی، ولولہ کار، قوت نمو، جذبہ مسابقت، ذوق جستجو اور مختصر الفاظ میں زندگی کے اس کیف اور سرور سے محروم ہو جاتا جو اپنی کوشش کے نتائج اور اپنی محنت کا ثمرہ دیکھ کر اس کو حاصل ہوتا ہے۔

یہ وہ فطری لذت ہے جو بچوں کو اپنے گھر اور اپنے والدین کی چیزوں کو اپنی طرف منسوب کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر انسان اس جذبہ سے محروم ہو جائے تو وہ اخلاص ومحبت، خیر خواہی، ان اموال واملاک کی حفاظت اور ان کو ترقی دینے کی فکر وامنگ سے محروم ہو جائے گا۔ زندگی اپنی ساری سرگرمی وجوش عمل، کشمکش اور جذبہ مسابقت اور وہ حوصلہ اور ولولہ کھودے گی جو انسان کی بقاء وترقی کے لئے ناگزیر ہے۔ دنیا ایک بڑا کارخانہ بن جائے گی جس میں انسان مشین کے گونگے بہرے کل پرزوں کی طرح متحرک ہوں گے نہ ان کے پاس دل ہوگا نہ ضمیر، نہ آسودگی نہ لذت۔

اسی لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں مال کا انتساب بار بار انسان کی طرف کیا ہے۔ اس کے خالق ورازق کی طرف نہیں:۔

﴿ولاتأ کلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوابها الی الحکّام لتأ کلوا فریقاً مّن اموال النّاس بالاثم وانتم تعلمون﴾

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ، اڑاؤ اور نہ اسے حکام تک پہونچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ سے کھاجاؤ درانحالیکہ تم جان رہے ہو۔

(سورۃ بقرہ۔۱۸۸)

غرض قرآن مجید میں اس طرح کی بکثرت آیات موجود ہیں جن میں نہ صرف مال

---

(۱) سورۂ مائدہ۔۵۵

کی اضافت انسان کی طرف کی گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور وسعت دے کر قرض حسنہ قرار دے دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور اس کے بندوں کی بھلائی کے لئے انسان جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے اس کے نزدیک وہ قرض حسنہ ہے۔ ارشاد ہے۔

﴿من ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضٰعفہ لہ اضعافاً کثیرۃً﴾ (سورۃ بقرہ۔ ۲۴۵)

کون ایسا ہے جو اللہ کو اچھا قرضہ قرض دے، پھر اللہ اسے بڑھا کر اس کے لئے کئی گنا کر دے۔

## زکوٰۃ کے ایک ایسے معین اور مخصوص نظام کی ضرورت جو ہر طبقہ اور ہر عہد کا ساتھ دے سکے

جب اسلامی معاشرہ عقیدہ کی پختگی اخلاقی تربیت، اطاعت وانقیاد، سخاوت وایثار اور انفرادی وجماعتی انانیت سے آزادی کی آخری سطح تک پہونچ گیا۔ سوسائٹی بہت وسیع ہوگئی اور اس میں مختلف اخلاقی وروحانی مراتب اور درجات قائم ہوگئے، انسانوں کے مختلف گروہ اور قسمیں ہوگئیں جن میں مالدار بھی تھے، غریب بھی اور متوسط الحال بھی، ایسے فیاض اور سخی بھی تھے کہ داد ودہش ان کا ذوق اور غذا بلکہ مزاج اور طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، بخیل اور جزرس بھی تھے اور میانہ رو ومعتدل بھی، ایک طرف ایسی قوت ایمانی تھی جو بڑے سے بڑا خطرہ مول لے سکتی تھی، بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی تھی۔ مشکل سے مشکل مسئلہ حل کر سکتی تھی، دوسری طرف اس ضعف ایمانی کے نمونے تھے جو عالم اسلام کے دور دراز گوشوں میں اور عہد آخر کی نسلوں میں دیکھے جا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ورحمت تھی کہ اس نے ایسے متنوع، مختلف الحال معاشرہ کے لئے ایک ایسا واضح اور معین نصاب مقرر کر دیا جس کی مقدار اور تعداد، اصول وشرائط اور علامات ونشانات سب پوری طرح واضح اور مقرر ہیں، یہ نصاب نہ اتنا زیادہ ہے کہ متوسط طبقہ اسکے بارے پریشان ہو جائے نہ اتنا کم کہ

(۱) شیخین روایت ابوہریرہؓ۔

امراءودولت مند طبقہ اور اہل ہمت واہل خیر کی نگاہ سے گر جائے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ بھی بڑی حکمت تھی کہ اسکو کسی کی رائے یا شخصی ہمت و حوصلہ پر نہیں چھوڑا گیا، نہ اسکو ان انسانی جذبات کے حوالہ کیا گیا جن میں مد و جزر اور اتار چڑھاؤ ہر وقت ہوتا رہتا ہے، اسکو قانون سازوں اور علماء یا حکام کے حوالہ بھی نہیں کیا گیا اسلئے کہ ان پر بھی کلی اعتماد ممکن نہیں اور وہ بھی ہوائے نفس سے محفوظ و مامون نہیں، ان سب باتوں کے پیش نظر زکوٰۃ اپنے نصاب و مقدار کے ساتھ فرض کی گئی۔

## زکوٰۃ کس چیز پر واجب ہے اور اسکے مقدار کے تعین میں کیا حکمت ہے

رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کی مقدار بھی متعین فرمادی ہے، اور ان چیزوں کی نشاندہی بھی کر دی ہے جن پر زکوٰۃ فرض ہے، آپ نے یہ بھی بتادیا کہ زکوٰۃ کب واجب ہوگی، آپ نے ان چیزوں کی چار قسمیں کی ہیں اور یہ چاروں ایسی ہیں جن سے تقریباً ہم سب کو واسطہ پڑتا ہے، پہلی قسم کاشت اور باغات، دوسری قسم مویشی، اونٹ، گائے بکری وغیرہ اور تیسری قسم وہ ہے جس پر مالیات کا سارا نظام قائم ہے، یعنی سونا، چاندی، چوتھی قسم تجارت کا مال، اپنی تمام قسموں اور شعبوں کے ساتھ۔

زکوٰۃ سال میں ایک بار فرض ہے، البتہ باغات و کاشت کا سال اس وقت پورا سمجھا جائے گا جب یہ باغات اور کھیتیاں پک جائیں اور اپنے کمال کو پہونچ جائیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ انصاف ممکن ہی نہیں تھا، اگر زکوٰۃ ہر مہینہ یا ہر ہفتہ ادا کرنی پڑتی تو یہ دولت مند لوگوں کے لئے بہت نقصان دہ ہوسکتی تھی اور اگر عمر میں ایک بار فرض ہوتی تو غربا اور مساکین کے حق میں مضرت رساں تھی اس لحاظ سے اس سے زیادہ موزوں اور معتدل حکم کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا کہ اسکو ہر سال ادا کیا جائے زکوٰۃ کی مقدار کا تعین مالکین نصاب کی محنت وجد و جہد اور ان کی سہولت و مشقت کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے، چنانچہ جو مال و دولت

آدمی کو اچانک اور یکمشت دستیاب ہو جائے (مثلاً کان، کوئی معدنی ذخیرہ یا خزانہ) تو اس میں سال گزرنے کا انتظار نہ کیا جائے گا اور جس وقت وہ اس کو حاصل ہو گا اسی وقت اس کا "خمس" (پانچواں حصہ) اس پر واجب ہو جائے گا، البتہ جس کی تحصیل میں خود اس کی محنت اور سعی کو دخل ہو اور اس نے اسکے لئے محنت و مشقت برداشت کی ہو تو اس پر عشر واجب ہو گا مثلاً کاشت و باغات وغیرہ اس سے مراد وہ کاشت ہے جس کو بونے جوتنے کا کام تو وہ خود کرتا ہے لیکن نہ اسکی سینچائی اسکو کرنا پڑتی ہے نہ اسکے لئے کنواں کھودنا اور رہٹ لگانا پڑتا ہے بلکہ اللہ تعالی بارش کے پانی سے اسکی سینچائی فرمادیتے ہیں، ہاں اگر کوئی شخص ڈول کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے اسکی سینچائی کرتا ہے تو بیسواں حصہ اس پر واجب ہو گا اگر کوئی ایسا کام ہو جسکے اضافہ کا انحصار مالک کی محنت پر ہو اسکا انتظام نگرانی اور حفاظت اسکے ذمہ ہو تو اس پر اسکا بھی نصف یعنی چالیسواں حصہ واجب ہو گا، اسلئے کہ اسمیں اسکو کھیتی باڑی سے زیادہ مصروف رہنا پڑتا ہے اور ہر وقت نگرانی کرنی ہوتی ہے کھیتی باڑی اور باغات وغیرہ میں تجارت سے کم دیکھ بھال کرنی پڑتی ہے اور اسمیں اتنا وقت بھی صرف کرنا نہیں ہوتا جتنا کسی دکان یا کارخانہ اور کمپنی میں ہوتا ہے، اسی طرح بارش سے جو کھیتی پیدا ہوتی ہے وہ سینچائی والی کھیتی سے زیادہ اچھی اور آسان ہوتی ہے، اسی طرح کسی خزانہ کی دریافت ان تمام چیزوں سے زیادہ آسان ہے اور اسمیں کچھ بھی کرنا نہیں پڑتا، چنانچہ نقدی کے لئے دو سو درہم اور سونے کے لئے بیس مثقال (۱)۔ غلہ اور پھلوں کے لئے پانچ وسق (جو اونٹ کے پانچ بوجھ کے برابر ہوتا ہے) بکری کے لئے چالیس بکریاں، گائے کے لئے تیس اور اونٹ کے لئے پانچ مقرر کئے گئے۔

---

(۱) رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک مثقال ایک دینار کے مساوی تھا، اور ایک دینار دس درہم کے برابر، اس لحاظ سے بیس مثقال دو سو درہم کے برابر ہوئے، دو سو درہم اکثر علمائے ہندوستان کی تحقیق کے مطابق ساڑھے باون تولہ چاندی کے مساوی ہوتے ہیں، بیس مثقال یا بیس دینار ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر سمجھا گیا ہے۔

## زکوٰۃ کے مصارف

زکوۃ کے مصارف اللہ تعالی نے سورہ براءۃ کی آیت میں بیان فرمائے ہیں۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلفُقَرَاءِ وَ المَسَاکِینِ وَ العَامِلِینَ عَلَیهَا وَ المُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُم وَ فِی الرِّقَابِ وَ الغٰرِمِینَ وَ فِی سَبِیلِ اللہِ وَ ابنِ السَّبِیلِ فَرِیضَةً مِّنَ اللہِ وَ اللہُ عَلِیمٌ حَکِیمٌ ۔
(سورہ توبہ۔ ٦٠)

صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جو ان پر مقرر ہیں، نیز ان کا جن کی دلجوئی منظور ہے اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرضداروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی امداد) میں یہ (سب) فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے۔

## زکوۃ ٹیکس یا جرمانہ نہیں بلکہ مستقل عبادت اور الٰہی نظام ہے

زکوۃ کے بارے میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ محض کوئی ٹیکس یا جرمانہ یا سرکاری مطالبہ نہیں ہے، وہ نماز روزے کی طرح ایک مستقل عبادت ہے اور خدا سے قرب حاصل کرنے کا ایک ذریعہ اور اخلاقی اصلاح اور تربیت کا ایک الٰہی نظام ہے۔ اسکے ادا کرنے میں بھی ترفع، احسان اور فخر و غرور کا جذبہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ تواضع، عجز اور احسان مندی کی روح ہونی چاہئے اور اپنے بجائے قبول کرنے والے کو محسن سمجھنا چاہئے، زکوۃ کے مستحقین کو خود جستجو اور ان کا انتخاب واہتمام بھی مطلوب ہے، یہ بھی بہتر سمجھا گیا ہے کہ ایک ہی جگہ کے مالداروں سے نکل کر وہیں کے غرباء میں تقسیم ہو (سوائے اسکے کہ وہاں اسکے مستحق نہ پائے جاتے ہوں) قرآن مجید میں زکوۃ کو سود کا (جو اسلام میں حرام ہے) بالکل متوازی اور مقابل قرار دیا گیا ہے اور جتنی زکوۃ کی تعریف کی گئی ہے، ثانی الذکر کی مذمت کی گئی ہے۔

## ضرورت سے زائد مال کو صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب

آپؐ نے اپنے اصحاب کرامؓ اور اپنی پوری امت کی اسی اخلاق اور اسی سیرت پر تربیت فرمائی اور مال خرچ کرنے کی ترغیب میں ایسی مؤثر نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں جن کو پڑھ کر ایسا خیال ہونے لگتا ہے کہ فاضل مال میں شائد آدمی کا کوئی حق ہی نہیں، ان احادیث کو پڑھنے کے بعد ایک انسان جب اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہے اور اس آرام و آسائش اور کشادگی و سہولت کو دیکھتا ہے تو اسکو بڑی دشواری محسوس ہوتی ہے، اس کو ہر چیز ضرورت سے زائد اور فاضل محسوس ہونے لگتی ہے اور یہ خوبصورت پوشاکیں انواع واقسام کے کھانے، آرام دہ سواریاں اور وسائل زندگی کی فراوانی اسکو غلط اور ناجائز نظر آتی ہے حالانکہ یہ صرف ترغیب کے دائرہ کی بات ہے، حکم شرعی اور قانون کی نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کا اسوہ یہی تھا۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْآخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا﴾ (سورہ احزاب۔۲۱)

ترجمہ۔ رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمھارے لئے یعنی اسکے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے اور ذکر الہی کثرت سے کرتا ہو۔

صحیح حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "جسکے پاس ایک سواری زائد ہو تو جسکے پاس ایک بھی سواری نہ ہو اسکو دے دے، جسکے پاس ایک ناشتہ زائد ہو اسکو دے دے جسکے پاس ناشتہ نہ ہو۔" (ابوداؤد)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "جسکے پاس دو کا کھانا ہو تو وہ تیسرے کو بھی کھانا کھلائے اور جسکے پاس تین کا کھانا ہو وہ چوتھے کو شریک کرے۔" (ترمذی)

آپؐ نے فرمایا "مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ شخص جو رات بھر پیٹ بھر کر سوتا رہا اور

اسکا پڑوسی بھوکا رہا حالانکہ اسکو اس بات کی خبر تھی۔" (طبرانی فی الاوسط)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ "ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ یا رسول اللہ مجھے کپڑا پہنایئے، آپؐ نے اس سے کہا کہ کیا تمھارا کوئی ایسا پڑوسی نہیں ہے جسکے پاس دو جوڑے زائد ہوں، اس نے عرض کیا ایک سے زیادہ ہیں، آپؐ نے فرمایا پھر اللہ تعالی جنت میں اس کو اور تم کو جمع نہ کرے۔" (طبرانی)

## اسلام کی نظر میں انسان کی قیمت اور غمخواری کی اہمیت

آپؐ نے انسان کا مرتبہ اور اسکی حاجت بر آری و غمخواری کی قیمت اور اہمیت اتنی زیادہ بلند کی کہ اس سے بلند کسی اور معیار کا تصور ہی ناممکن ہے، اس میں کوتاہی کرنے والا ایسا ہے جس طرح خاص خدا کی نافرمانی اور کوتاہی کرنے والا، مشہور حدیث قدسی ہے کہ "اللہ تعالی قیامت کے روز اپنے بندہ سے فرمائیں گے کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا کہ اے رب میں کیسے آپ کی عیادت کرتا آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالی فرمائے گا کہ تجھ کو معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے لیکن تو نے اسکی عیادت نہیں کی، اگر تو اسکی عیادت کرتا تو مجھے اسکے پاس پاتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، وہ کہے گا اے رب میں کیسے آپ کو کھانا دیتا آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالی فرمائے گا کہ تجھ کو خبر نہیں کہ میرے فلاں بندہ نے مجھ سے کھانا مانگا اور تو نے اس کو کھانا نہیں دیا اگر تو اسکو کھانا کھلاتا تو وہ کھانا میرے پاس پہونچتا، اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ کہے گا کہ اے رب میں آپ کو کیسے پانی پلاتا، آپ تو رب العالمین ہیں، اللہ تعالی فرمائے گا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے اس کو پانی نہیں پلایا اگر تو اسکو پانی پلا دیتا تو اسکو میرے پاس پاتا۔" (مسلم)

اسکی انتہا یہ تھی، اور غمخواری و احسان اور عدل و انصاف کی اس سے بڑھ کر کوئی

بات نہیں ہو سکتی کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "لایؤمن احدکم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ" تم میں سے کوئی اس وقت تک "کامل" مسلمان نہیں ہو گا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔ (بخاری)

# روزہ۔ اسلام کا تیسرا رکن

## روزہ کا حکم اور اس سلسلہ کی آیات

اللہ تعالیٰ نے روزہ کا حکم مسلمانوں کے لئے نازل فرمایا، لیکن یہ روزہ ہجرت کے بعد اس وقت فرض کیا گیا جب سختیوں کے بادل چھٹ گئے، عسرت و تنگ دستی کا دور ختم ہوا اور مسلمانوں نے مدینہ میں اطمینان کی سانس لی اور انکی زندگی کشادگی اور آرام کے ساتھ بسر ہونے لگی، ایسا شاید اسلئے ہوا کہ اگر پریشان حالی کے دور میں روزہ کا حکم نازل ہوتا تو بہت سے لوگ اسکو مجبوری کا روزہ اور معاشی حالات اور اس ماحول کا نتیجہ سمجھتے جو مکہ میں تھا اور یہ محسوس کرتے کہ روزہ صرف فقراء و مساکین اور مصیبت زدوں اور مظلوموں کے لئے ہے، اغنیاء اور خوش حال لوگ جو باغات اور زمینوں کے مالک ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

اسکے علاوہ روزہ کی فرضیت کی آیت اس وقت نازل ہوئی جب عقیدہ مسلمانوں کے دلوں میں اچھی طرح پیوست اور پختہ ہو چکا تھا اور نماز سے بھی ان کو غایت درجہ تعلق بلکہ عشق پیدا ہو گیا تھا، تمام مسلمان احکام الٰہی اور قوانین شریعت کے سامنے ہر لحہ سر تسلیم خم کرنے پر تیار تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ اسکے منتظر ہی ہوں۔

جس آیت کے ذریعہ روزے فرض ہوئے وہ آیت یہ تھی :

﴿یا ایھا الّذین آمنوا کتب علیکم الصّیام کما کتب علی الّذین من قبلکم لعلّکم تتقون. ایّاماً معدودات، فمن کان منکم مریضاً او علیٰ سفر فعدّةٌ

من ايّامٍ اخر، وعلى الّذين يطيقونه فديةٌ طعام مسكين. فمن تطوّع خيراً فهو خيرٌ له وان تصوموا خيرلكم ان كنتم تعلمون. شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن هدى للنّاس وبيّنٰت من الهدى والفرقان، فمن شهد منكم الشهر فليصمه ومن كان مريضاً او علىٰ سفر فعدةٌ من ايام اخر . يريد الله بكم اليسر ولايريد بكم العسر ولتكملوا العدة ولتكبروا الله علىٰ ما هدٰكم ولعلكم تشكرون.﴾

ترجمہ۔ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، جو تم سے قبل ہوئے ہیں۔ عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ (یہ روزے) گنتی کے چند روز کے (ہیں) پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو اس پر دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے) اور جو لوگ اسے مشکل سے برداشت کر سکیں ان کے ذمہ فدیہ ہے (کہ وہ) ایک مسکین کا کھانا ہے، اور جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے اس کے حق میں بہتر ہے اور اگر تم علم رکھتے ہو تو بہتر تمہارے حق میں بھی ہے کہ تم روزے رکھو، ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے، وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں کھلے ہوئے (دلائل ہیں) ہدایت اور (حق و باطل میں) امتیاز کے، سو تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے لازم ہے کہ وہ (مہینہ بھر) روزہ رکھے، اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے) اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمھارے حق میں دشواری نہیں چاہتا اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو۔ اور یہ کہ اللہ کی بڑائی کیا کرو۔ اس پر کہ "راہ بتادی، عجب نہیں کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ (سورۂ بقرہ ۱۸۳ تا ۱۸۵)

یہ آیات جن میں پہلی بار روزہ فرض قرار دیا گیا ان خشک قوانین کی طرح نہیں تھیں جو محض اس سیاسی اور اجتماعی رابطہ کی بنیاد پر نافذ کیا جاتا ہے، جو معاشرے کے ایک فرد اور حکومت کے درمیان قائم ہوتا ہے، یہ آیات ایمان وعقیدہ، عقل وضمیر اور قلب وجذبات سب کو بیک وقت اپیل کرتی ہیں اور ان تمام چیزوں کو غذا پہونچاتی ہیں اور محض

قانون کے اجراء ہی کے لئے نہیں خوشدلی کے ساتھ اس استقبال کے لئے بھی فضا سازگار کرتی ہیں، یہ قرآن کے اصولِ دعوت، علم النفس اور حکیمانہ قانون سازی کا ایک ناقابل انکار معجزہ ہے۔

﴿تنزیل من حکیم حمید﴾ (حٰم سجدہ ۴۲)

(یہ کلام نازل ہوا ہے (خدائے) باحکمت وپرحمد کی طرف سے)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اس قانون کے مکلف ہیں ﴿ یاأیها الذین آمنوا﴾ سے خطاب کیا ہے اور اس طرح گویا ان کو پہلے ہی ان تمام احکام کی تعمیل اور بجا آوری کے لئے تیار کر دیا ہے جو ان کو خدا کی طرف سے دیئے جائیں۔ خواہ ان کے نفس پر کتنے ہی شاق اور گراں کیوں نہ ہوں۔ اس لئے کہ ایمان کا یہی تقاضا اور مطالبہ ہے، اگر کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاچکا ہے اس کو اپنا معبود اور رب، امر و نہی کا مالک اور اطاعت و فرمانبرداری کے لائق تسلیم کر چکا ہے اور اپنی زمام کار اس کے حوالہ کر چکا ہے اور دل و جان سے اس کی محبت میں سرشار ہے تو اس کو بجاطور پر اس کے ہر حکم، ہر قانون، ہر فیصلہ اور ہر مطالبہ کے سامنے بے چوں وچرا سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔

﴿انما کان قول المؤمنین اذا دعوا الی اللہ ورسوله لیحکم بینهم ان یقولوا سمعنا واطعنا﴾ ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ اور اس کے (رسول) کی طرف کہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا۔ (سورۃ نور ۵۱)

﴿وما کان لمؤمنٍ ولا مؤمنة اذا قضی اللہ ورسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم﴾ (سورۂ احزاب ۳۶)

اور کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا حکم دیدیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے۔

﴿یاایھاالذین امنو استجیبو للّٰہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم﴾ (سورہ انفال ۲۴)
اے ایمان والو! اللہ اور رسول کو لبیک کہو جبکہ وہ (یعنی رسول) تم کو تمھاری زندگی بخش چیز کی طرف بلائیں۔

یہ اس شریعت کی پابندی ہے جو اپنے تمام فرائض، عبادات اور احکام و قوانین میں نفوس انسانی کے لئے آبِ حیات ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان پر روزہ فرض کیا، لیکن یہ مذاہب کی تاریخ میں پہلا موقع یا کوئی بدعت نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلے بھی سب اہل کتاب اور مذہب و شریعت کی حامل تمام قوموں پر روزہ فرض کیا تھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس گرانی اور بوجھ کو کم کردیا جو انسان کو تنہائی کے احساس سے ہوتا ہے۔ اگر آدمی کو معلوم ہوجائے کہ جس بات کا پابند اس کو کیا جارہا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں ہے، اس کی نظیریں پہلے بھی گذر چکی ہیں اور بہت سی قوموں اور ملتوں نے اس کی پابندی کی ہے تو اس کو وہی چیز کسی قدر آسان ہونے لگے گی۔ اور ہمت پہلے سے بڑھ جائے گی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کا مقصد بلاوجہ مشقت یا آزمائش میں ڈالنا ہو، یہ ریاضت و تربیت اور اصلاح و تزکیہ کے لئے ہے، یہ دراصل اخلاقی تربیت گاہ ہے جہاں سے آدمی کامل ہو کر اس طرح نکلتا ہے کہ خواہشات کی لگام اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، خواہشات اس پر حکومت نہیں کرتیں بلکہ وہ خواہشات پر حکومت کرتا ہے۔ جب وہ محض اللہ کے حکم سے مباح اور پاک چیزوں کو ترک کردیتا ہے تو ممنوعات و محرمات سے بچنے کی کوشش کیوں نہ کرے گا؟ جو شخص ٹھنڈے میٹھے پانی اور پاکیزہ و لذیذ غذا کو خدا کی فرمانبرداری میں چھوڑ سکتا ہے وہ حرام نجس چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا کیسے گوارا کر سکتا ہے اور یہی ﴿لعلکم تتقون﴾ کا مفہوم ہے۔

پھر یہ ارشاد ہوتا ہے کہ مہینہ کی گنتی کو زیادہ نہ سمجھنا، یہ تو چند گنے چنے دن ہیں جو مسلسل گزرتے ہیں۔ اور دیکھتے دیکھتے ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس ایک مہینہ کی

(جس میں صرف دن کا روزہ ہوتا ہے) سال بھر کے شب و روز سے نسبت ہی کیا ہے جو راحت ولذت اور سکون و فراغت کے ساتھ گزرتے ہیں؟

## روزہ کیا ہے؟

اسلامی روزہ مروجہ مذہبی برت کے دنوں اور ترکِ غذا کے ان طریقوں سے جو حفظان صحت اور طبی ضرورتوں سے اختیار کئے جاتے ہیں مختلف ہے، اسلامی روزے میں کوئی غذا مشروب یہاں تک کہ دوا کا بھی حلق سے اتارنا اور نگلنا ممنوع ہے، غذاؤں اور کھانے پینے میں بھی کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں کہ اناج ممنوع ہو، فواکہ جائز یا نیبو یا نمک کے ساتھ پانی یا مطلق پانی جائز ہو، اس قسم کی کسی چیز کے استعمال سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر ایسا فعل قصداً کیا گیا ہے تو اس کے جرمانہ کے طور پر ساٹھ روزے مسلسل رکھنے پڑیں گے۔ البتہ اگر آدمی کو روزے کا خیال نہیں تھا اور اس نے کچھ کھا پی لیا تو اس سے روزہ نہیں جائے گا۔

## روزہ کی خصوصیات اور اس کے فضائل و احکام

اسلام نے روزہ کا جو نقشہ پیش کیا ہے وہ قوانین و مقاصد دونوں کے لحاظ سے مکمل ہے، فائدہ کا سب سے زیادہ ضامن ہے، اور اس میں عزیز و علیم اور حکیم و خبیر خدا کی حکمت و مشیت پوری طرح جلوہ فگن ہے۔

﴿الا یعلم من خلق وھو اللّطیف الخبیر﴾

(کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو بڑا ہی باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے۔

(سورۂ ملک۔ ۱۴)

اس نے پورا مہینہ (اور یہ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا) مسلسل مہینہ بھر کے روزوں کے لئے مخصوص کیا ہے جس کے دنوں میں روزہ رکھنے کا حکم ہے اور

راتوں کو کھانے پینے کی اجازت ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن آدم کا ہر عمل کئی گنا بڑھادیا جاتا ہے اور نیکی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بڑھادی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سوائے روزہ کے اس لئے کہ بیشک وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ میری خاطر اپنا کھانا اور اپنی خواہشِ نفس چھوڑ دیتا ہے روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں، ایک افطار کے وقت اور ایک اپنے رب سے ملاقات کے وقت اور بیشک روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی اور پاکیزہ ہے۔

سہل بن سعدؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام "ریان" ہے اس (دروازہ) سے صرف روزہ دار بلائے جائیں گے۔ جو روزہ داروں میں سے ہوگا وہی اس میں داخل ہوگا اور جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

## رمضان کو روزہ کے ساتھ مخصوص کیوں کیا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے روزے رمضان میں فرض کئے ہیں، اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم قرار دیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان دو برکتوں اور سعادتوں کا اجتماع بڑی حکمت اور اہمیت کا حامل ہے۔ اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا اور گم کردہ راہ انسانیت کو "صبح صادق" نصیب ہوئی، اس لئے یہ عین مناسب تھا کہ جس طرح طلوع صبح صادق روزہ کے آغاز کے ساتھ مربوط کردی گئی ہے اسی طرح اس مہینہ کو بھی جس میں ایک طویل اور تاریک رات کے بعد پوری انسانیت کی صبح ہوئی پورے مہینہ روزے کے ساتھ مخصوص کردیا جائے، خاص طور پر اس وقت جب کہ اپنی رحمت وبرکت، روحانیت اور نسبت باطنی کے لحاظ سے بھی یہ مہینہ تمام مہینوں سے افضل تھا، اور بجا طور پر اس کا مستحق تھا کہ اس کے دنوں کو روزے سے اور

راتوں کو عبادت سے آراستہ کیا جائے۔

روزہ اور قرآن کے درمیان بہت گہرا تعلق اور خصوصی مناسبت ہے اور اسی لئے حضور ﷺ رمضان میں تلاوت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے، لیکن رمضان میں جب جبریلؑ آپؐ سے ملنے آتے تو اس زمانے میں سخاوت کا معمول اور بڑھ جاتا، جبریلؑ رمضان کی ہر رات میں آپ کے پاس آتے اور قرآن مجید کا دور کرتے، اس وقت جب جبریلؑ آپ سے ملتے آپ سخاوت، داد و دہش اور نیکی کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی تیز نظر آتے۔

## عبادات کا عالمی موسم اور اعمال صالحہ کا جشنِ عام

ان تمام چیزوں نے رمضان کو عبادت، ذکر، تلاوت اور زہد و تقویٰ کا ایک ایسا عالمی موسم اور جشنِ عام کا زمانہ بنادیا ہے جس میں مشرق و مغرب کے تمام مسلمان عالم و جاہل، امیر و فقیر، کم ہمت اور عالی حوصلہ ہر قسم اور ہر گروہ کے لوگ ایک دوسرے کے شریک و رفیق اور ہمدم و دمساز نظر آتے ہیں، یہ رمضان ایک ہی وقت میں ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر دیہات میں ہوتا ہے۔ امیر کے محل اور غریب کی جھونپڑی دونوں میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کوئی شخص خودسری اور خودرائی کرتا ہے نہ روزے کے لئے دونوں کے انتخاب میں کوئی انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے۔ ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں عطا کی ہیں۔ عالم اسلام کے وسیع و عریض رقبہ میں ہر جگہ اس کے جلال و جمال کا مشاہدہ خود کرسکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے اسلامی معاشرہ پر نورانیت اور سکینت کا ایک وسیع شامیانہ سایہ فگن ہے، جو لوگ روزہ کے معاملہ میں ذرا سست اور کاہل ہیں وہ بھی عامۃ المسلمین سے علیحدگی کے ڈر سے روزہ رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں اور اگر کسی وجہ سے روزہ

نہیں رکھتے تو چھپ کر اور شرم کے ساتھ کھاتے ہیں، سوائے ان چند ملحد اور فساق کے جن کو علانیہ بھی اس بے شرمی میں کوئی عار نہیں ہوتا۔ یا ان بیماروں اور مسافروں کو جو شرعاً معذور ہیں۔ یہ ایک اجتماعی اور عالمی روزہ ہے جس سے خود بخود ایک ایسی سازگار اور خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے جس میں روزہ آسان معلوم ہوتا ہے، دل نرم پڑ جاتے ہیں اور لوگ عبادتوں اور طاعتوں اور ہمدردی و غمخواری کے مختلف کاموں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

## پچھلے پہر اٹھ کر سحری کھانا

رات کو صبح صادق سے پہلے پہلے (روزے کی طاقت پیدا کرنے کے لئے اور تاکہ بھوک وپیاس زیادہ نہ ستائے) کچھ کھالیا جاتا ہے، اس کو شریعت کی اصطلاح میں "سحور" اور ہندوستان میں "سحری" کہتے ہیں، یہ سنت بھی اور اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خود مسلمانوں کے لئے اس کو سنت قرار دیا، انس بن مالکؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "سحری کھاؤ اس لئے کہ سحری میں برکت ہے (۱)

حضرت عمرو بن العاصؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزہ میں فرق اسی سحری کا ہے (۲)

آپؐ نے افطار میں تاخیر کرنے سے بھی منع فرمایا ہے اور اس کو فساد اور فتنہ کی نشانی اور اہلِ کتاب کے غالی دین داروں کا شعار قرار دیا ہے۔ سہیل بن سعدؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ جب تک لوگ افطار میں تعجیل سے کام لیتے رہیں گے، اس وقت تک خیر پر رہیں گے۔

آپؐ کا معمول یہ تھا کہ نماز سے پہلے افطار کرتے، چند رُطب (تر کھجوریں) اگر موجود ہوتیں تناول فرماتے، اگر نہ ملتیں تو خشک کھجوریں تناول فرماتے۔ ورنہ پانی ہی کے چند

---

(۱) مسلم۔ (۲) مؤطاء۔ ترمذی۔

گھونٹ پی لیتے، افطار کرتے وقت فرماتے۔

اللّٰھم لک صمت وعلیٰ رزقك افطرت (اے اللہ آپ ہی کیلئے روزہ رکھا اور آپ ہی کے رزق سے افطار کرتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں:

ذھب الظمأ وابتلّت العروق وثبت الاجر انشاء اللہ تعالیٰ

پیاس بجھ گئی، رگیں تر ہو گئیں اور انشاءاللہ تعالیٰ اجر ثابت ہو گیا۔

## روزہ کی روح اور اس کی حقیقت کی حفاظت

شریعت اسلامی نے روزہ کی ہیئت اور ظاہری شکل پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی حقیقت اور اس کی روح کی طرف بھی پوری توجہ دی ہے، اس نے صرف کھانے پینے اوور جنسی تعلقات ہی کو حرام نہیں کیا بلکہ ہر اس چیز کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے جو روزہ کے مقاصد کے منافی اور اس کی حکمتوں اور روحانی واخلاقی فوائد کے لئے مضر ہے، اس نے روزہ کو ادب وتقویٰ، دل اور زبان کی عفت وطہارت کے حصار میں گھیر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی روزہ سے ہو تو نہ بد کلامی اور فضول گوئی کرے نہ شور وشر کرے اگر کوئی اس کو گالی دے اور لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو تو یہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں (۱) یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔ (۲) وہ روزہ جو تقویٰ اور عفاف کی روح سے خالی اور محروم ہو وہ ایک ایسی صورت ہے جس کی حقیقت نہیں ایسا جسم ہے جس کی روح نہیں، حدیث میں آتا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ کتنے روزہ دار ہیں جن کو ان کو روزہ سے سوائے پیاس کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا اور کتنے ایسے عبادت گزار ہیں جن کو اپنے قیام میں شب بیداری

(۱) بخاری شریف (۲) متفق علیہ۔

کے سوا کچھ نہیں ملتا(۱)

حضرت ابو عبیدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روزہ ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالا جائے۔

اسلامی روزہ صرف سلبی امور واحکام کا نام نہیں جس میں صرف کھانے پینے، غیبت، چغلخوری، لڑائی جھگڑے اور گالی گلوج کی ممانعت ہو، وہ بہت سے ایجابی امور واحکام کا بھی مجموعہ ہے، یہ عبادت وتلاوت، ذکر وتسبیح، ہمدردی وخیر خواہی اور غربا پروری کا زمانہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ اس میں جو کسی ایک خصلت اور ایک عمل سے خدا کا تقرب حاصل کرنا چاہے گا وہ دوسرے دنوں کے ادائگی فرض کے برابر سمجھا جائے گا اور جو اس میں فرض ادا کرے گا وہ اس کی طرح ہو گا جو غیر دنوں میں ستر فرض ادا کرے، یہ صبر کا مہینہ ہے۔ اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور غمخواری کا مہینہ ہے۔

زید بن خالد الجہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو روزہ دار کو افطار کرائے اس کو روزہ دار کے برابر اجر ملے گا اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت میں تراویح کی حفاظت اور اس کے اہتمام کا جذبہ بھی پیدا فرمایا ہے، تراویح کی نماز حضور ﷺ سے ثابت ہے، لیکن آپؐ نے تین دن پڑھ کر اس کو اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ کہیں یہ امت پر فرض نہ ہو جائے اور مشقت کا باعث ہو۔

ان سب چیزوں نے رمضان کو عبادت کا جشن عام، تلاوت کا موسم اور ابرار وتیقن اور عبادو صالحین کے حق میں فصل بہار بنا دیا ہے۔ اسمیں اس امت کا دینی جذبہ دین کا احترام اور عبادت کا شوق پوری طرح جلوہ گر ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ اور اس کی توبہ وانابت قلوب کی نرمی، خدا کی طرف رجوع، احساس ندامت اور کار خیر میں جذبہ مسابقت اس نقطہ

---

(۱) بخاری۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔

عروج پر ہوتا ہے۔ جس کے عشر عشیر تک دنیا کی کوئی قوم اور انسانوں کا کوئی گروہ نہیں پہنچ سکتا۔ ﴿ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم﴾

## اعتکاف

رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔ یہ ایک محبوب سنت بھی اور رمضان کے فوائد اور مقاصد کی تکمیل بھی۔

اعتکاف کے دوران نماز، تلاوت اور اللہ کے ذکر، تسبیح (سبحان اللہ کہنا) تحمید (الحمد للہ کہنا) تکبیر (اللہ اکبر کہنا) استغفار اور نبی ﷺ پر درود میں مشغول رہنا مستحب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس پر ہمیشہ مداومت فرمائی اور مسلمانوں نے بھی ہر جگہ اور ہر دور میں اس کی پابندی کی، چنانچہ اس نے رمضان کی شعار اور سنت متواتر کی حیثیت اختیار کرلی۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے اخیر عشرہ میں برابر اعتکاف فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے انتقال فرمایا، پھر آپ کی ازواج نے اعتکاف کا معمول قائم رکھا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ ہر رمضان میں دس دن اعتکاف فرماتے تھے جس سال آپ نے انتقال فرمایا اس سال آپ نے بیس دن اعتکاف کیا۔

اعتکاف کی حالت میں سوائے بشری ضروریات (پیشاب ، پاخانہ، غسل ، جنابت) کے مسجد سے باہر جانا ممنوع ہے۔ وضو بھی مسجد ہی کے حدود میں کیا جائے۔

## شبِ قدر

قرآن وحدیث میں شب قدر کی فضیلت بہت اہمیت کے ساتھ متعدد جگہ بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿انا انزلنٰه فی لیلة القدر ۔ وما ادرٰك ما لیلة القدر ۔ لیلة القدر خیرٌ من الف شهر ۔ تنزل الملٰئكة والرّوح فیها باذن ربّهم من كل امرٍ سلام۔ هی حتیٰ مطلع الفجر﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے اسے (قرآن کو) شب قدر میں اتارا ہے۔ اور آپ کو خبر ہے کہ شب قدر ہے کیا؟ شب قدر ہزاروں مہینوں سے بڑھ کر ہے، اس رات فرشتے اور روح القدس اترتے ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کے لئے سلامتی (ہی سلامتی) ہے وہ رہتی ہے طلوع فجر تک۔ (سورۃ قدر)

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ شب قدر میں جو ایمان واحتساب کے ساتھ عبادت کرے گا اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت ورحمت سے اس کو رمضان کے آخری عشرہ میں پوشیدہ رکھا ہے تاکہ مسلمان اس کی جستجو میں رہیں، ان کی طلب اور ہمت بڑھے اور وہ یہ سب آخری راتیں اس کی لالچ میں قیام وعبادت اور دعاومناجات میں گزاریں، جیساکہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔ حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ "جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تھا تو رسول ﷺ پوری رات بیدار رہتے تھے اور اپنے گھروالوں کو بھی جگاتے تھے اور کمر کس لیتے تھے۔ (۲)

احادیث کا زیادہ تر اجماع اسی پر ہے کہ شب قدر آخری عشرہ میں اور اس کے بھی آخری سات دنوں میں اور طاق راتوں میں ہے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے بعض کو آخری سات دنوں میں خواب میں شب قدر دکھائی گئی۔ اس پر رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمھارا خواب زیادہ تر آخری سات دنوں کے متعلق ہے، پس جو اس کو تلاش کرنا چاہے وہ آخری سات دنوں ہی میں تلاش کرے (۳) حضرت

(۱) متفق علیہ۔ (۲) ایضاً۔ (۳) ایضاً۔

عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں معتکف اور گوشہ نشین ہو جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔(۱) حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔(۲)

## عید کے چاند پر رمضان ختم ہو جاتا ہے

دن گزرتے دیر نہیں لگتی اور ۲۹۔۳۰ دن کی اوقات ہی کیا، ابھی عبادت اور روحانیت کے حریصوں کو تسلی بھی نہیں ہوئی تھی اور ان کی زبانوں پر ﴿ھَل من مَزید . ھَل من مزید﴾ کا نعرہ تھا۔ جتنے دن گزرتے جاتے تھے عامی آدمیوں کو بھی روزوں سے اور مناسبت پیدا ہوتی تھی کہ چاند رات آگئی، رمضان نے رخت سفر باندھا اور آئندہ سال کا وعدہ کر کے مسلمانوں سے رخصت ہوا۔ عید کا چاند نکل آیا، شکر آمیز صبر کی جگہ صبر آمیز شکر نے لی، خدا کا ایک مہمان اور پیامبر رخصت ہوا، دوسرا مہمان اور پیامبر آیا، وہ بھی حکم تھا یہ بھی حکم، آج تک دن میں کھانا کھانا گناہ تھا۔ کل دن میں نہ کھانا گناہ ہوگا۔

---

(۱) ایضاً۔(۲) بخاری شریف۔

# حج

## اسلام کا چوتھا رکن

﴿واذن فی النّاس بالحج یأ توک رجالاً وعلیٰ کل ضامر یاتین من کل فج عمیق. لیشھدوا منافع لھم ویذکروا اسم اللہ فی ایّام معلومات علیٰ ما رزقھم من بھیمة الانعام. فکلو منھا واطعمو البائس الفقیر. ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوابالبیت العتیق﴾

(سورۃ حج ـ ۲۷ ـ ۲۸ ـ ۲۹)

ترجمہ: اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، لوگ تمھارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دُبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے آ پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے فوائد کیلئے آموجود ہوں اور تاکہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں، پس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ، پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور چاہئے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔

اسلام کا چوتھا رکن حج ہے۔ اگر کوئی شخص اس کے شرائط پورے کرنے کے باوجود

حج نہ کرے تو اس کے لئے قرآن شریف وحدیث میں ایسے الفاظ آئے ہیں جن سے خوف ہوتا ہے کہ وہ دائرہ اسلام اور جماعت مسلمین سے خارج نہ ہو جائے، یہ فریضہ خاص اوقات میں اور خاص مقام پر ادا ہوتا ہے، یعنی ذی الحجہ کے مہینہ میں جو قمری سال کا آخری مہینہ ہے۔

# قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کا قصہ

## اور

## بلد امین سے اسکا تعلق

حضرت ابراہیمؑ شہر کے ایک بڑے مجاور یا پروہت کے گھر میں پیدا ہوئے، جس کا پیشہ صنم تراشی تھا اور جو شہر کے سب سے بڑے معبد میں مجاور تھا اور اپنے عقیدہ اور پیشہ دونوں میں اس معبد کے ساتھ منسلک، یہ بڑی دشوار صورت حال تھی۔ اس لئے کہ جب عقیدہ پیشہ کے ساتھ اور دینی جذبہ مالی منفعت کے ساتھ مل جاتا ہے اور دونوں ساتھ چلنے لگتے ہیں تو اس وقت پیچیدگی اور دشواری پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس سخت اور تاریک ماحول میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو ایمان و محبت کو ابھار سکے اور اس مشرکانہ اور بت پرستانہ جہالت وحماقت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرسکے، لیکن اس "قلب سلیم" کی بات ہی اور تھی، جس کو نبوت اور عالم نو کی تعمیر کے لئے تیار کیا جا چکا تھا۔

| | |
|---|---|
| ﴿ولقد آتینا ابراھیم رشدہ من قبل و کنا بہ عالمین﴾ (سورۃ انبیاء ۵۱) | اور بالیقین ہم (اس سے بھی) پہلے ابراہیم کو فہم سلیم عطا کر چکے تھے اور ہم انکو خوب جانتے تھے۔ |

وہ اپنی بغاوت اس مرحلہ سے شروع کرتے ہیں۔ جہاں بعض اوقات دنیا کے بڑے سے بڑے انقلاب کا گزر نہیں ہوتا۔ یہ گھریلو زندگی کا مرحلہ ہے جہاں انسان پیدا ہوتا ہے، پلتا بڑھتا ہے اور جوان ہوتا ہے اور ہر چیز کا یہی تقاضا ہوتا ہے کہ وہ یہیں زندگی گزارے۔ اب وہ ساری باتیں پیش آتی ہیں جن کا قرآن مجید نے اپنے صاف، واضح اور بلیغ

و معجزانہ اسلوب میں ذکر کیا ہے، ان میں حضرت ابراہیمؑ کا بتوں کو توڑنا، پجاریوں کی اس پر سخت برہمی حیرت اور لاچاری اور اس باغی اور حوصلہ مند نوجوان سے انتقام کی کوشش، ان کے لئے الاؤ روشن کرنا اور اس کا حضرت ابراہیمؑ کے حق میں ٹھنڈا اور باعث سلامتی بن جانا، جابر بادشاہ کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کا بلیغ مناظرہ اور سوال وجواب سب چیزیں شامل ہیں۔

یہ انکار اور بغاوت اس نتیجہ تک پہونچاتی ہے کہ سارا شہر ان کا دشمن ہو جاتا ہے، پوری سوسائٹی ان سے برہم نظر آتی ہے۔ حکومت وقت بھی ان کا تعاقب کرتی ہے۔ اور ایذا پہونچاتی ہے لیکن وہ ان میں سے کسی چیز کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اس کے منتظر اور اس نتیجہ کے پہلے ہی سے متوقع ہوں، وہ اپنے شہر سے ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ بہت خوش اور مطمئن ہو کر ہجرت کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کی اصل پونجی یعنی دولتِ ایمان ان کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ وہ بالکل تنہا اور بے یار و مددگار سفر کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں ہوتا۔ اس سفر میں ان کو ہر جگہ انسانوں کا ایک ہی نمونہ نظر آتا ہے۔ وہی بت پرستی، شرک وجہالت اور خواہشات کی گرم بازاری جس کو چھوڑ کر چلے تھے۔ ہر جگہ ان کو ملتی ہے۔ وہ مصر پہونچتے ہیں اور وہاں بڑی آزمائش اور اہانت سے دوچار ہوتے ہیں، اور اپنی اہلیہ کو جن پر بادشاہ وقت کی بُری نظر تھی لے کر کامیابی کے ساتھ نکل جاتے ہیں، اس کے بعد شام پہونچتے ہیں، یہاں کی آب وہوا ان کو راس آتی ہے اور وہیں طرح اقامت ڈال دیتے ہیں۔ اور توحید کی دعوت اور بت پرستی کی مذمت کا کام دوبارہ شروع کر دیتے ہیں۔

شام میں جہاں سرسبزی وشادابی اور رزق کے وسائل بہت وافر تھے اور جو قدرتی حسن سے بھی مالا مال تھا، ان کا جی لگتا ہے لیکن جلد ہی ان کو ایک ایسی سرزمین کی طرف جانے کا حکم ملتا ہے جو سرسبزی وشادابی میں شام کی بالکل ضد ہے، لیکن حضرت ابراہیمؑ اپنا

کوئی حق نہیں سمجھتے اور کسی سرزمین اور وطن سے ان کو وابستگی نہیں، وہ حکم کے بندہ اور چشم وابرو پر چلنے والے ہیں، اور ساری دنیا کو اپنا وطن اور پوری انسانیت کو اپنا خاندان سمجھتے ہیں۔ ان کو اس کا حکم ملتا ہے کہ اپنی بیوی "ہاجرہ" اور شیر خوار بچہ کو لے کر یہاں سے ہجرت کر جائیں۔

ایک ایسی وادی اور سرزمین میں پہونچنے کے بعد جس کے چاروں طرف جلے ہوئے پہاڑوں کے سوا کچھ نہ تھا، جہاں کی آب وہوا اور موسم بہت سخت، پانی مفقود اور ہر طرف سناٹا تھا اور کوئی ایسا مونس و غمخوار بھی نہ تھا، جس سے دل کو سکون واطمینان ہوتا، ان کو یہ حکم ملتا ہے کہ اپنی کمزور وناتواں بیوی اور اپنے چھوٹے بچہ کو اللہ کے بھروسہ پر اور محض اس کے حکم کی تعمیل میں چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں اور اس طرح کہ راضی برضا ہوں، نہ جزع فزع ہو، نہ ڈر اور گھبراہٹ، نہ بے دلی واکتاہٹ، نہ عزیمت میں کمزوری، نہ وعدۂ الٰہی میں شک، بلکہ اس کے بجائے انسانی تجربوں کے خلاف بغاوت، طبعی اسباب کی مخالفت، وسائل سے بے نیازی اور انقطاع کلی، ایمان بالغیب اور خدا پر اس وقت بھروسہ اور اعتماد ہو جب قدم پھسلنے لگیں اور بدگمانی پیدا ہونے لگے۔

ان کے جانے کے بعد قدرتی طور پر وہ سب باتیں پیش آتی ہیں جن کا اندیشہ تھا، بچہ پیاس سے بیتاب ہو جاتا ہے اور ماں پر بھی پیاس کا غلبہ ہوتا ہے لیکن اس صحراء میں پانی کہاں؟ وہاں تو ان چھوٹے چھوٹے گڑھوں کا بھی وجود نہ تھا جن میں بچا کھچا پانی مل جاتا، اب ماں کی ممتا جوش مارتی ہے، ان کو خطرہ کا احساس ہونے لگتا ہے اور وہ پانی کی تلاش میں یا کسی ایسے قافلہ کی جستجو میں جس کے پاس پانی مل جائے۔ بے تاب وبے قرار ہو کر والہانہ انداز میں دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑنے لگتی ہیں۔ دوسری پہاڑی کے پاس پہونچنے کے بعد فوراً بچہ کا خیال آتا ہے کہ وہ نہ جانے کس حال میں ہو اس لئے رکے بغیر پھر دوبارہ واپس آکر اطمینان کرتی ہیں کہ وہ زندہ اور بخیریت ہے۔ اس کے بعد پھر رہا نہیں جاتا اور وہ دوبارہ پھر

اسی پہاڑی کی طرف دوڑ جاتی ہیں کہ شاید کہیں کوئی آدمی نظر پڑ جائے یا پانی کی علامت کسی جگہ نظر آ جائے، ایک طرف ان کے اندر اضطراب و بے کلی ہوتی ہے جو اس صورت حال کا قدرتی نتیجہ ہے۔ دوسری طرف وہ سکینت جو صرف ایمان اور اعتماد علی اللہ سے پیدا ہوتی ہے، باوجود اس کے کہ وہ نبی کی بیوی اور نبی کی ماں ہیں ظاہری اسباب اور سعی و تدبیر کو ایمان اور توکل کے منافی نہیں سمجھتیں۔ وہ مضطرب ضرور ہیں لیکن مایوسی کے ادنیٰ شائبہ کے بغیر خدا پر پورا بھروسہ رکھتی ہیں لیکن تعطل، بے عملی اور سستی کے بغیر، ایسا منظر شاید چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اب رحمت الٰہی جوش میں آئی اور معجزانہ طریقہ سے ایک چشمہ وہاں پھوٹ پڑا یہ 'زمزم' کا مبارک اور لافانی چشمہ ہے، جو نہ کبھی خشک ہوتا ہے نہ اسمیں کوئی کمی آتی ہے۔ وہ ساری دنیا اور تمام نسلوں کے لئے کافی ہے، اور آج تک سارا عالم اس سے فیضیاب اور سیراب ہو رہا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے شفا بھی رکھی ہے، غذائیت بھی، اجر بھی اور برکت بھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس اضطراری حرکت کو جو ایک مخلص مومنہ سے صادر ہوئی، ایک اختیاری حرکت بنا دیا اور دنیا کے بڑے بڑے ذہین، عبقری اور فلسفی انسان کو اور بڑے سے بڑے فرماں روا اور بادشاہ کو اس کا پابند کر دیا، چنانچہ جب تک وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی نہ کر لیں ان کا حج ہی پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں پہاڑیاں دراصل ہر محب و مشتاق کی منزل ہیں اور یہ سعی اس دنیا میں مومن کے موقف کی بہترین تمثیل ہے اس لئے کہ وہ بھی عقل اور جذبہ اور احساس اور عقیدہ دونوں کا جامع ہوتا ہے، وہ عقل سے بھی پوری طرح کام لیتا ہے اور اپنی زندگی کے مصالح و ضروریات میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی اپنے ان دلی جذبات کے سامنے بھی سر جھکا دیتا ہے جن کی جڑیں عقل سے بھی زیادہ گہری اور مضبوط ہوتی ہیں۔ وہ ایک ایسی دنیا میں رہتا ہے جو ترغیبات، جنسی خواہشات، زینت و آرائش اور مظاہر سے بھری ہوئی ہے، لیکن صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے

والے کی طرح وہ کسی طرف نظر اٹھائے اور کسی اور چیز میں اٹکے بغیر اور کسی اور جگہ ٹھہرے بغیر تیزی کے ساتھ گزر جاتا ہے۔ اس کو سب سے زیادہ فکر اپنی منزل اور اپنے مستقبل کی ہوتی ہے وہ اپنی زندگی کو چند گنے چنے چکروں کی طرح سمجھتا ہے جو وہ اپنے رب کی اطاعت اور اپنے اسلاف کی اقتداء میں لگاتا ہے۔ اس کا ایمان بحث و جستجو میں مانع نہیں ہوتا اور اس کی سعی اس کے توکل و اعتماد میں کوئی خلل نہیں ڈالتی، ایک ایسی حرکت جس کی ساری قیمت، روح اور پیام دو لفظوں میں ادا کیا جاسکتا ہے "محبت اور" "تابعداری"۔

اب یہ بچہ کچھ سیانا ہوتا ہے۔ اور اس عمر کو پہونچتا ہے جب باپ کو اپنے بچہ سے قدرتی طور پر زیادہ لگاؤ ہوتا ہے، وہ اپنے باپ کے ساتھ باہر جاتا ہے، ان کے ساتھ دوڑتا بھاگتا ہے، اور ان کے ساتھ ساتھ رہتا ہے، اس کے والد جن میں انسانی ہمدردی اور محبت بدرجہ اتم موجود تھی اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور جگر کے ٹکڑے سے بڑا انس اور میلان محسوس کرتے ہیں اور یہی سب سے بڑی مشکل ہے، اس لئے کہ ان کا قلب وہ قلب سلیم تھا جو محبتِ الٰہی کے لئے مخصوص ہے، وہ کسی عام انسان کا دل نہیں، خلیل الرحمن کا دل تھا، محبت کو سب کچھ گوارا ہے، شرکت گوارا نہیں، وہ رقیب کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی، جب یہ عام انسانی محبت کا حال ہے تو محبتِ الٰہی کا حال کیا ہوگا۔ یہ وہ موقع ہے جب حضرت ابراہیمؑ کو اپنے محبوب بیٹے کی قربانی کا اشارہ ملتا ہے۔ انبیاء کا خواب وحی کے برابر ہوتا ہے اس لئے جب کئی بار ان کو یہ اشارہ ملا تو وہ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی منشاء ہے اور ان کو یہ کام انجام دینا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کا امتحان لیتے ہیں، اس لئے کہ یہ کام ان کی موافقت صبر اور قوت برداشت کے بغیر انجام دینا مشکل ہے، یہ بات سن کر وہ غایت درجہ سعادت و نجابت اور امر الٰہی کے سامنے مکمل تسلیم اور رضا بالقضا کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا وہ خود نبی ہیں، نبی کے بیٹے ہیں، اور نبی کے دادا ہیں۔

﴿قال یا بنیّ انّی اری فی المنام انّی اذبحك فانظر ماذا تری. قال یآبت افعل ماتومر ستجدنی ان شاء اللہ من الصبرین.﴾ (سورۃ الصّٰفّٰت۔ ۱۰۲)

انھوں نے کہا: بیٹا! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو، تمھاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے اے میرے باپ! آپ کر ڈالئے جو کچھ آپ کو حکم ملا ہے، آپ انشاءاللہ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

اب وہ بات پیش آتی ہے جس کے سامنے عقل عاجز اور حیران ہے، باپ اپنے محبوب اور سعید بیٹے کو لے کر باہر نکلتے ہیں، وہ خدا کے اشارے پر اپنے بیٹے کی قربانی کرنے جارہے ہیں اور یہ بھی اپنے رب کی اور اپنے والد کی اطاعت میں ان کے ساتھ چل رہے ہیں، دونوں کا مقصد ایک ہے، اپنے مالک کا حکم بجالانا اور بلا چوں وچرا اس کے آگے اپنا سر رکھ دینا، راستہ میں ان کو شیطان ملتا ہے جس نے انسان کو ہمیشہ سعادت سے محروم کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ان کو اس ارادہ کی تکمیل سے روکتا ہے، خدا کی نافرمانی کو بہت ہمدردانہ اور خوبصورت طریقہ پر ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ زندگی کی رغبت دلاتا ہے لیکن وہ اس کی ایک چلنے نہیں دیتے اور حکم الٰہی کی تعمیل کے لئے کمر کس لیتے ہیں، اب وہ لمحہ آتا ہے جس کو دیکھ کر فرشتے بھی مضطرب ہوجائیں اور جن وبشر بھی۔ وہ اپنے لڑکے کو زمین پر لٹادیتے ہیں، چھری گلے پر رکھ دیتے ہیں اور ذبح کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، اب اللہ تعالیٰ کی مشیت بیچ میں حائل ہوتی ہے، اس لئے کہ مقصود حضرت اسماعیل کا ذبح کرنا نہیں تھا، بلکہ اس محبت کو ذبح کرنا تھا جو خدا کی محبت میں شریک ہوجاتی ہے اور رقیب بننے لگتی ہے، اور یہ محبت گلے پر چھری رکھتے ہی ذبح ہوچکی تھی، حضرت اسماعیلؑ تو اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ وہ زندہ رہیں۔ برگ وبار لائیں، ان سے نسل چلے اور سید المرسلین محمد ﷺ بھی ان ہی کی

اولاد میں ہوں، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہونے سے پہلے ذبح کیسے ہو سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ کے طور پر جنت کا ایک مینڈھا بھیجا کہ اس کو ان کی جگہ ذبح کرو اور اس کو حضرت ابراہیمؑ کے تمام متبعین اور ان کے بعد کی تمام نسلوں کے لئے سنت بنا دیا، ایامِ نحر میں وہ اسی "عظیم قربانی" کی تجدید کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرکے قربانی دیتے ہیں۔

﴿فلمّا اسلما وتلّه للجبين. وناديْنه ان يّا ابراهيم. قد صدّقت الرّءيا انّا كذالك نجزي المحسنين. ان هٰذا لهو البلٰؤ المبين. وفديناه بذبحٍ عظيم. وتركنا عليه في الآخرين. سلٰمٌ على ابراهيم﴾

(سورۃ الصّٰفّٰت۔ ۱۰۳ تا ۱۰۹)

پھر جب دونوں نے حکم کو تسلیم کرلیا اور (باپ نے بیٹے کو) کروٹ پر لٹا دیا، اور ہم نے انھیں آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا (وہ وقت ہی عجیب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، بیشک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان، اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں یہ بات رہنے دی کہ ابراہیمؑ پر سلام ہو۔

حضرت ابراہیمؑ اور شیطان کے اس قصہ کو بھی، اللہ تعالیٰ نے بقاء دوام بخشا اور ان جگہوں پر جہاں شیطان انکا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا تھا اور ان کو اس فعل سے باز رکھنا چاہا تھا، کنکروں سے رجم کرنے کا حکم دیا اور اسکو ایک ایسا عمل بنا دیا جو ہر سال حج کے افضل ترین ایام میں کیا جاتا ہے، اسکا مقصد یہ ہے کہ شیطان سے نفرت پیدا ہو، اسکی نافرمانی اور اس سے بغاوت کا اظہار ہو، یہ وہ ادا ہے جس میں ایک مومن کو بڑی لذت، زندگی اور کیف محسوس ہونا چاہئے بشرطیکہ اسکا ایمان پختہ ہو، فہم صحیح ہو اور امر الٰہی کی اطاعت کا جذبہ دل میں

موجزن ہو، کہانی سے اس کردار کو دہراتے وقت اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ بدی کی طاقتوں اور شیطان اور اسکے لشکروں کے ساتھ معرکہ کارزار میں ہے، اگرچہ شیطان کو اس سے سوائے رجم اور توہین کو کچھ ملنے والا نہیں۔

اب اس واقعہ پر ایک زمانہ گزر جاتا ہے، یہ بچہ اب جوان ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسکو نبوت وسیادت سے سرفراز کیا ہے حضرت ابراہیمؑ کی دعوت بھی رنگ لائی ہے اور اچھی طرح پھیل چکی ہے، اب اسکے لئے ایک ایسے مرکز کی ضرورت تھی جس پر پورا اعتماد کیا جا سکتا اور جس سے ایمان کو قوت وغذا حاصل ہوتی، اس دنیا میں بادشاہوں کے محل اور بتوں کے معبد تو بہت تھے، جہاں خواہش نفس اور شیطان کی پرستش ہوتی تھی، لیکن اللہ کی زمین پر اللہ ہی کی عبادت کے لئے اب تک کوئی گھر نہ تھا، جس میں اخلاص کے ساتھ صرف اسی کی عبادت ہوتی، اور اسکو عبادت کرنے والوں اور زیارت کرنے والوں کے لئے ہر قسم کی آلودگی اور نجاست سے پاک وصاف رکھا جاتا، چنانچہ اب جبکہ دین اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا ہے، اور امت مسلمہ کی بنیاد پڑ چکی ہے، حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ کی تعمیر کی ہدایت کی جاتی ہے، ایک ایسا گھر جو تمام انسانیت کے لئے جائے پناہ اور گہوارۂ امن ہو، اور جہاں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، باپ بیٹے دونوں مل کر اس مبارک اور پاک گھر کی تعمیر کرتے ہیں، جو ظاہری شکل کے اعتبار سے بہت سادہ اور معمولی ہے لیکن اپنی عظمت کے لحاظ سے بہت مستحکم اور بلند ہے، وہ دونوں پتھر ڈھوتے ہیں، اور اسکی دیواریں اٹھاتے ہیں۔

﴿واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسمٰعیل ۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم. ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ

اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب ابراہیمؑ اور اسماعیل (خانۂ کعبہ) کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اے ہمارے پروردگار ہم سے (یہ) قبول کر یقیناً تو ہی (سب کچھ)

للك وارنا مناسكنا وتب علينا. انك انت التواب الرحيم﴾ (سورہ بقرہ۔ ۱۲۷ تا۱۲۸)

سننے والا ہے، (سب کچھ) جاننے والا ہے، اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنادے اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار امت پیدا کر، اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلادے، اور ہمارے حال پر توجہ رکھ یقیناً تو بڑا توجہ رکھنے والا ہے، بڑا مہربان ہے۔

یہ گھر ایمان واخلاص کی ان بنیادوں پر قائم کیا گیا جسکی نظیر دنیا میں کہیں اور نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اسکو خوب قبول فرمایا، نوازا، اسکے دوام کا فیصلہ فرمایا، اسکو جمال وجلال کا لباس زیبا عطا کیا، دلوں کو اسکی طرف مائل کردیا اور اسکو تمام انسانوں کی قبلہ گاہ اور انکے دلوں کے لئے مقناطیس کی طرح باعث کشش بنادیا، لوگ وہاں سر کے بل بلکہ آنکھوں اور پلکوں کے بل آتے ہیں، اور اس پر جان ودل نثار کرتے ہیں یہ گھر ہر قسم کے ظاہری حسن اور مصنوعی آرائش سے خالی اور محفوظ ہے اور ایک ایسے شہر میں واقع ہے جو تہذیب وتمدن کے ہنگاموں اور زندگی کے پرشور دھارے سے بہت دور ہے لیکن پھر بھی اسمیں وہ کشش پائی جاتی ہے کہ لوگ اسکی طرف کھنچ کھنچ کر دیوانہ وار پہونچتے ہیں، اور اسکی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بیتاب رہتے ہیں، جب یہ گھر بن کر تیار ہو گیا تو غیب سے یہ صدا آئی:۔

﴿واذن فی الناس بالحج یاتوك رجالا وعلیٰ کل ضامریا تین من کل فج عمیق . لیشهدوا منافع لهم ویذکروا اسم الله علیه فی ایام معلومت علیٰ ما رزقهم من

اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو، لوگ تمھارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تاکہ

| | |
|---|---|
| بهيمة الانعام. فكلو منها واطعمو البائس الفقير. ثم ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم وليطوفوا بالبيت العتيق﴿ (سورہ حج۔۲۷۔۲۸۔۲۹) | ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں ان چوپایوں پر جو اللہ نے انکو عطا کئے ہیں، پس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں، اور اپنے واجبات کو پورا کریں، اور چاہئے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔ |

حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں یہ دنیا اسباب کی غلام تھی اور لوگ ان پر ضرورت سے زائد اعتماد کرنے لگے تھے، بلکہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ وہ مستقل بالذات قائم اور موثر ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان اسباب نے ارباب کا درجہ اختیار کر لیا، اسباب کی اس درجہ تقدیس اور اعتماد نے اس بت پرستی کے پہلو بہ پہلو جس میں لوگ پہلے ہی پوری طرح ڈوبے ہوئے تھے ایک نئی بُت پرستی پیدا کر دی۔ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی دراصل ان ہی "بت گروں" اور "بُت پرستوں" کے خلاف بغاوت تھی۔ وہ توحید خالص اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور احاطہ و وسعت پر ایمان کی دعوت تھی۔ اور اس بات کا اعلان کہ وہی تمام چیزوں کو عدم سے وجود میں لاتا ہے، وہی اسباب پیدا کرتا ہے۔ اور وہی ان کا مالک ہے، وہ جب چاہتا ہے اسباب کو مسببات سے جدا کرتا ہے، اور اشیاء سے ان کے خواص کو سلب بھی کر لیتا ہے۔ وہ ان سے وہ چیزیں ظاہر فرماتا ہے جو اس کی ضد ہوتی ہیں، اس کو جب چاہتا ہے اور جس چیز کے لئے چاہتا ہے استعمال کرتا ہے اور جس کام پر چاہتا ہے لگا دیتا ہے، لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ کی بھٹی تیار کی اور کہا کہ:

﴿حرّقوه وانصروا الهتكم ان كنتم فاعلين﴾ (سورۂ انبیاء۔۶۸)
انھیں تو جلا دو اور اپنے ٹھاکروں کا بدلہ لے لو۔ اگر تمھیں کچھ کرنا ہے۔

لیکن حضرت ابراہیم جانتے تھے کہ آگ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع ہے جلانا اس کی مستقل بالذات صفت نہیں جو کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتی، ایک اضافی صِفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں امانت کے طور پر رکھی ہے، اس کی لگام اسی کے ہاتھ میں ہے، جب چاہے ڈھیل دے دے اور جب چاہے کھینچ لے، اور اسی آگ کو دیکھتے دیکھتے گلستان اور چمنستان بنادے، اس ایمان ویقین کے ساتھ وہ اس میں اطمینان کے ساتھ داخل ہو گئے اور وہی ہوا جو انھوں نے سوچا تھا۔

﴿قلنا یانار کونی برداً وسلماً علی ابراھیم. وارادوا به کیداًفجعلنٰھم الاخسرین﴾
(سورۂ انبیاء ۶۹۔۷۰)
ہم نے حکم دیا اے آگ تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم کے حق میں اور (لوگوں نے) ان کے ساتھ بُرائی کرنا چاہی تھی سو ہم نے انھیں (لوگوں) کو ناکام کر دیا۔

لوگوں کا عام عقیدہ اور تجربہ یہ تھا کہ زندگی وافر پانی، زرخیز مٹی اور کھیت وباغات پر قائم ہے۔ چنانچہ وہ اپنے بتوں اور خاندانوں کے لئے ان شہروں اور ملکوں کی تلاش میں رہتے تھے جو وطن بنانے کے لائق ہوں اور وہاں کی زمین بہت زرخیز ہو، سرسبزی وشادابی خوب ہو، پانی وافر مقدار میں ملے، تجارت اور صنعتی کاروبار کے لئے سہولتیں حاصل ہوں، حضرت ابراہیم نے اس عقیدہ اور تجربہ اور دستور ورواج کے خلاف بغاوت کی اور خود عمل کر کے دکھایا، انھوں نے اپنے مختصر خاندان کے لئے جو ماں بیٹے پر مشتمل تھا، ایک ایسی وادی غیر ذی زرع (بے آب وگیاہ وادی) کا انتخاب کیا جس میں نہ زراعت کی صلاحیت تھی، نہ تجارت کا موقع وہ دنیا سے منقطع، تجارتی مراکز اور شاہراہوں اور دولت اور خوشحالی کے

علاقوں سے بہت دور واقع تھی، یہاں پہونچ کر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کے رزق میں کشائش پیدا فرمائے، دلوں کو ان کی طرف مائل کردے اور ہر طرح کے پھل بغیر ظاہری اسباب اور عام راستوں کے وہاں پہونچتے رہیں، انھوں نے یہ دعا کی:

﴿ربنا انّی اسکنت من ذریتی بوادٍ غیر ذی زرعٍ عندبیتك المحرم. ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من النّاس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلّھم یشکرون﴾
(سورۃ ابراہیم۔ ۳۷)

اے ہمارے پروردگار میں نے اپنی کچھ اولاد کو ایک بے زراعت میدان میں آباد کردیا ہے۔ تیرے معظم گھر کے قریب (یہ اس لئے) اے ہمارے پروردگار کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں، سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور انھیں کھانے کو پھل دے جس سے یہ شکر گزار رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ایسی قبول فرمائی کہ رزق اور امن دونوں چیزوں کی ضمانت کردی اور انکے شہر کو ہر قسم کے پھلوں اور اپنی مختلف نعمتوں کا مرکز بنادیا۔

﴿اولم نمکن لھم حرماً آمناً یجبی الیہ ثمرٰت کل شي رزقاً من لدنا ولکن اکثر ھم لا یعلمون﴾
(سورۃ قصص ۵۷)

کیا ہم نے ان کو امن وامان والے حرم میں جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں ہمارے پاس سے بطور کھانے کے لیکن ان میں سے اکثر لوگ اتنی بات بھی نہیں جانتے۔

﴿فلیعبدوا ربّ ھذالبیت ، الذی اطعمھم من جوع وامنھم من خوف﴾ (سورۂ قریش۔ ۳۔۴)

چاہئے تھا کہ اس خانۂ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا، اور انھیں خوف سے امن دیا۔

انھوں نے اپنے گھر والوں کو ایک ایسی زمین میں لا کر چھوڑ دیا جہاں حلق تر کرنے کے لئے بھی پانی نہ تھا، لیکن ایسی ریگستانی اور پتھریلی زمین سے اللہ تعالیٰ نے ایک چشمہ جاری فرمادیا۔ ریت سے پانی خود بخود ابلنے لگا اور بغیر کسی توقف کے آج تک اسی طرح جاری ہے، لوگ جی بھر کے اس کو پیتے ہیں، اور پیپے بھر کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

وہ اپنے گھر والوں کو ایک ایسی ویران و غیر آباد جگہ چھوڑ دیتے ہیں جہاں آدمی کا سایہ بھی نظر نہیں آتا لیکن دیکھتے دیکھتے وہ جگہ ایسی معمور و آباد ہو جاتی ہے کہ دنیا کے ہر علاقہ کے لوگ وہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی ان کے عہد اور ان کی سوسائٹی کی حد سے بڑھی ہوئی مادّیت اور اسباب کی پرستش کے خلاف ایک چیلنج تھی، اور خدا کی قدرت مطلقہ پر اعتماد کلی کا اظہار اور یہی اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ وہ اسباب کو ہمیشہ ایمان کے تابع بنا دیتا ہے اور ان اسباب سے وہ چیزیں ظاہر فرماتا ہے جن کو سمجھنے سے مادّی نگاہیں قاصر اور عاجز ہیں۔

# حج ابراہیمی اعمال و صفات کی یادگار

# اور آپ کی دعوت و تعلیم کی تجدید ہے

حج اور اس کے تمام اعمال و مناسک نیز اس سلسلہ کے تمام واقعات و حوادث جو ان اعمال کے ساتھ وابستہ ہیں مظاہر سے بے نیازی اور انانیت و خود پرستی سے رہائی و آزادی کا وہ لباس زیبا جو حاجی زیب تن کرتا ہے، اور احرام، وقوف، افاضہ، رجم سعی اور طواف کے تمام وہ اعمال جو وہ بجالاتا ہے۔ دراصل توحید، اسباب کی نفی، خدا پر توکل اس کے راستہ میں قربانی اور اس کی اطاعت و خوشنودی کو اپنی زندگی میں موثر، پائیدار اور فعال بنانے کی سعی و تدبیر ہے، وہ عادات، رسم و رواج، جھوٹے معیار اور مصنوعی قدروں کے خلاف ایک کھلی ہوئی بغاوت اور طاقتور ایمان، سچی محبت بے نظیر قربانی اور اعلیٰ درجہ کے ایثار و بے غرضی کی تجدید ہے۔ حج ان اعلیٰ مقاصد، صالح، جذبات، روحانی اور ایمانی قدروں، نیز اس انسانی و اسلامی اخوت کی بقا و ترقی کا ضامن ہے جو مصنوعی قومیتوں اور نسل و وطن کے محدود اور ناقص پیمانوں سے بالاتر ہے۔ وہ حضرت ابراہیمؑ کے راستہ اور مسلک پر چلنے ان کی روح کو اپنے اندر پیدا کرنے اور ہر جگہ اور ہر دور میں ان کی دعوت کے پرچم کو بلند رکھنے کی دعوت ہے۔

﴿ملة ابيكم ابراهيم هو سمّٰكم المسلمين﴾

(سورۃ حج۔۷۸)

تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت (پر قائم رہو) اس (اللہ) نے تمھارا لقب مسلمان رکھا ہے۔

وہ حج کو ان بابرکت ہستیوں سے کبھی محروم نہ رکھے گا جن کو ہم علماء حق، مقبولین بارگاہ اہل دعوت واصلاح اور اہل باطن واہل قلوب کہتے ہیں اور جن کی وجہ سے حج کی فضا روحانیت اور نورانیت سے اس قدر بھر جاتی ہے کہ سخت دل بھی موم اور پتھر جیسے جگر بھی پانی ہو جاتے ہیں۔ باغی ونافرمان بھی توبہ وانابت کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ وہ آنکھیں جن سے کبھی خوف یا محبت کے دو قطرے بھی نہ نکلتے تھے یہاں پہونچ کر بے ساختہ اشکبار ہو جاتی ہیں، دل کی سرد انگیٹھیاں ایک بار پھر سلگ اٹھتی ہیں۔ رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور سکینت پورے ماحول کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے اور شیطان کو منہ چھپانے کی بھی جگہ نہیں ملتی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ شیطان عرفہ کے دن سے زیادہ حقیر وذلیل، راندۂ درگاہ اور غصہ سے جلا بھنا ہوا کبھی نہیں دیکھا گیا۔ اور یہ صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ رحمت الٰہی نازل ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں کو معاف فرما رہا ہے:(۱)

اس وقت کی فضا ایک خاص کیف رکھتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کرنٹ نے اس کو چھو لیا ہے، وہ مسلمان جو دور دراز مقامات سے یہاں آتے ہیں اپنے ویران اور خالی دلوں کو پھر سے آباد کرتے ہیں اور ایمان ومحبت، جوش وحمیّت اور علم وتفقہ کا وہ زاد سفر حاصل کرتے ہیں، جو ان کی واپسی کے بعد بھی کام دے سکے اور اس کی مدد سے وہ ہر قسم کی ترغیب، دباؤ لالچ اور خوف کا مقابلہ کر سکیں۔ وہ اپنے اپنے ملکوں میں لوٹ کر اپنے ان بھائیوں کو بھی اس دولت یا اس تحفہ میں شریک کرتے ہیں جو ضعف یا بیماری یا کسی عذر کی وجہ سے یہاں حاضر نہیں ہو سکے۔ اس طریقہ سے ایمانی بجلی کا یہ کرنٹ امت مسلمہ کے پورے جسم میں دوڑ جاتا ہے، اس سے جاہلوں میں علم کا شوق پیدا ہوتا ہے، کمزوروں وپست ہمتوں کی ہمت بلند ہوتی ہے، افسردہ اور مایوس انسانوں میں گرمجوشی اور حوصلہ مندی پیدا ہوتی ہے، امت کو اپنا پیغام پہونچانے اور فریضۂ دعوت ادا کرنے کی نئی طاقت حاصل ہوتی ہے، اور اس

---

(۱) روایت مالک (مرسل)

کے نئے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

## اسلامی وانسانی اخوت اور عالمی برادری کا مظاہرہ

حج ان باطنی، لسانی اور علاقائی قومیتوں کیخلاف اسلامی قومیت کی جیت ہے جن کے بہت سے اسلامی ممالک (مختلف عوامل اور دباؤ کے تحت) شکار ہیں، وہ اسلامی قومیت کا مظہر اور اعلان ہے۔ یہاں پہونچ کر تمام اسلامی قومیں اپنے ان قومی وملکی لباسوں سے آزاد ہو کر جو ان کی پہچان بن گئے تھے اور جن سے بہت سی قومیں تعصب کی حد تک وابستہ ہیں، اسلام کا ایک قومی لباس اختیار کرلیتی ہیں جس کو دین وفقہ اور حج وعمرہ کی اصطلاح میں "احرام" کہا جاتا ہے، سب عاجزی وانکساری احتیاج ولاچاری اور گریہ وزاری کے ساتھ ایک زبان میں ایک ترانہ اور ایک ہی نعرہ لگاتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| لبيك اللهم لبيك، لبيك لاشريك لك لبيك، انّ الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك. | اے میرے اللہ! میں حاضر ہوں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں، اور حکومت وبادشاہت بھی، تیرا کوئی شریک نہیں۔ |

ان میں حاکم ومحکوم، آقا ونوکر، امیر وفقیر اور چھوٹے بڑے کی کوئی تفریق نہیں ہوتی، ان کے لباس اور صدا دونوں میں اسلامی قومیت جلوہ گر نظر آتی ہے، یہی حال حج کے دوسرے اعمال، عبادات، مناسک اور شعائر ومقامات کا ہے، جہاں ہر قوم وملک کے لوگ دوش بدوش نظر آتے ہیں اور قریب وبعید اور عرب وعجم کے سارے فرق مٹ جاتے ہیں۔ صفا ومروہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان سب ساتھ دوڑتے ہیں۔ منیٰ ساتھ سفر کرتے ہیں، عرفات ساتھ جاتے ہیں، اور جبلِ رحمت پر ایک ساتھ حاضر ہو کر دعا کرتے ہیں، اور

سب ایک ہی جگہ رات گزارتے ہیں۔

﴿فاذا افضتم من عرفاتٍ فاذكروا الله عند المشعر الحرام. واذكروه كما هدٰكم، وان كنتم من قبله لمن الضآلين﴾

(سورۂ بقرہ۔۱۹۸)

پھر جب تم جوق در جوق عرفات سے واپس ہونے لگو تو اللہ کا ذکر مشعر حرام کے پاس کر لیا کرو، اور اسکا ذکر اس طرح جیسا اس نے تمھیں بتایا ہے اور اس سے قبل تم یقیناً محض ناواقفوں میں تھے۔

سب ایک ساتھ واپس آتے ہیں، ایک ساتھ متحرک ہوتے ہیں، اور ایک ساتھ ساکن ہوتے ہیں۔

﴿ثم افيضوا من حيث أفاض النّاس واستغفروا الله انّ الله غفورٌ رّحيمٌ﴾

(سورۂ بقرہ۔۱۹۹)

ہاں تو تم وہاں جاکر واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

منیٰ میں بھی قیام ایک ساتھ کرتے ہیں، اور نحر (قربانی) حلق (سر منڈانا) اور رمی (شیطان کو پتھر مارنا) کے سارے کام ایک ساتھ انجام دیتے ہیں۔

جب تک حج باقی ہے (اور وہ انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گا) اس وقت تک مسلمانوں کو یہ قومیتیں اور غیر اسلامی دعوتیں نگل لینے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اور وہ ان کا لقمۂ تر نہیں بن سکتے اور اپنے اپنے ملکوں میں (جن سے ان کو اپنے فطری جذبات اور قومی عصبیت کے لحاظ سے فطری محبت ہوتی ہے) کوئی ایسا نیا کعبہ بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جو حج کی جگہ لے لے اور سارے مسلمان اس کے گرد جمع ہو جائیں۔ یہ قبلہ ہمیشہ ایک ہی رہے گا۔ جہاں مشرق و مغرب اور عرب و عجم کے تمام رہنے والے اپنا رخ کریں گے۔ یہ

بیت اللہ بھی ہمیشہ ایک رہے گا۔ جس کے حج کے لئے ہندی و افغانی اور یورپی و امریکی مسلمان سب برابر جاتے رہیں گے۔

﴿واذ جعلنا البیت مثابۃ للنّاس وامنا. واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی﴾ (سورۂ بقرہ۔۱۲۵)

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لئے ایک مقام رجوع اور مقامِ امن مقرر کیا اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔

روئے زمین کے ایک دور افتادہ اور دشوار گزار گوشہ سے لوگ کھنچ کھنچ کر یہاں پہونچیں گے اس دن کے لئے منتیں مانیں گے اور دن گنیں گے اور اس دربار کی حاضری کو اپنی سب سے بڑی تمنا اور سب سے بڑی سعادت و خوش نصیبی سمجھیں گے۔

## حج کا فریضہ ایک خاص زمانہ اور مقام سے مخصوص ہے

اس پورے فریضہ اور عبادت کا تعلق مکہ مکرمہ اور اس کے نواحی مقامات منیٰ اور عرفات سے ہے، یہ سب مناسک وہیں ادا ہوتے ہیں، نہ ذی الحجہ کے علاوہ سال کے کسی مہینہ میں نہ ان تاریخوں کے علاوہ خود اس مہینہ کی کسی تاریخ میں اور نہ مکہ اور منیٰ اور عرفات کے سوا کسی اور مقام میں یہ فریضہ ادا ہو سکتا ہے۔ جن واقعات، جن شخصیتوں، جن حکمتوں اور مصلحتوں اور جن مقاصد سے اس کا تعلق ہے ان کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ عظیم الشان فریضہ، اسی مہینہ، انھیں تاریخوں اور انھیں مقامات میں ادا ہو، یہ فریضہ خدا کے دو عاشق و محبوب پیغمبر، ابراہیم و اسماعیل کے جذبہ توحید، عشق و خود فراموشی، اور ایثار و قربانی کی یادگار اور ان کے ان عاشقانہ اعمال کی نقل ہے جو ان سے انھیں مقامات میں اور انھیں اوقات پر ظاہر ہوئے۔ اور جن کے اندر عشق و مستی خود شکنی اور خود فراموشی، رسم و رواج، عادات و مالوفات، عرف و قانون اور انسانوں کے تمام خود ساختہ معیاروں سے تھوڑی دیر کے لئے آزادی و بے نیازی کی کیفیت پیدا کرنے کی بڑی صلاحیت ہے، پھر ساری دنیا کے مسلمانوں کو

(خواہ وہ کسی دور اور کسی مقام کے ہوں) ابراہیمی تہذیب، اسلام کے مرکز اور خانۂ کعبہ سے ہمیشہ وابستہ اور مربوط رکھنے کا جو مقصد ہے اس کی تکمیل بھی اس کے بغیر ممکن نہیں۔(۱)

---

(۱) حج کی فرضیت کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے پاس اس سفر کے ضروری مصارف اور اہل و عیال کے لئے اتنا خرچ ہو کہ وہ اس کے پیچھے گزارا کر سکیں۔ راستہ کا امن، بیت اللہ تک پہونچنے کے وسائل اور اتنی صحت و قوت بھی ضروری ہے کہ یہ سفر کیا جا سکے۔

نوٹ:- ان اسلامی ارکان کی تفصیل کے لئے مطالعہ کیجئے "ارکان اربعہ"

ملنے کا پتہ:- مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

## تیسرا باب

# مسلمانوں کی چند دینی و ملّی خصوصیات

### مسلمانوں کی پہلی خصوصیت، ایک متعین عقیدہ اور مستقل دین و شریعت ہے

دُنیا کے تمام مسلمانوں کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے ملّی وجود کی بنیاد ایک معیّن عقیدہ اور ایک مستقل دین و شریعت پر ہے جس کو اختصاراً مذہب کہتے ہیں، اگرچہ اس سے اس کا صحیح مفہوم ادا نہیں ہوتا اور وہ لفظی اشتراک کی وجہ سے بہت سی غلط فہمیاں اور التباس پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لئے ان کا ملّی نام اور عالم گر لقب کسی نسل، خاندان، دینی پیشوا، بانیٔ مذہب اور ملک کے بجائے ایک ایسے لفظ سے مشتق ہے جو ایک معیّن عقیدہ اور رویہ کو ظاہر کرتا ہے۔ دنیا کی عام مذہبی قومیں اپنے اپنے دینی پیشواؤں، بانیانِ مذاہب، پیغمبروں، ملکوں، یا نسلوں کی طرف منسوب ہیں، اور ان کے نام انھیں شخصیتوں یا انھیں نسلوں اور ملکوں کے نام سے مشتق ہیں، جیسے یہودی، یہود (Yahudist) اور بنی اسرائیل (Bani Israil) کہلاتے ہیں، یہوداہ (Yahu-dah) حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام اور اسرائیل خود حضرت یعقوبؑ کا نام ہے، عیسائی (Christians) حضرت عیسیٰؑ (Christ) کی طرف منسوب ہیں، قرآن شریف میں ان کو نصاریٰ کے لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے، ناصرہ (Na-sareth) حضرت مسیح کے وطن کا نام ہے، مجوسیوں کے مذہب کے پیروؤں کا جن کو عام طور پر ہندوستان میں پارسی کے نام سے یاد کرتے ہیں، صحیح نام

(Zara - یا زر تشتی ہے، جس کی نسبت اس مذہب کے بانی (Zaroastrias
(thust سے ہے، بودھ مذہب (Buddhist) اور بدھ مت (Buddhism) اپنے بانی گوتم بدھ (Buddh) کی طرف منسوب ہیں، یہی حال ہندوستان کے بیشتر مذاہب کا ہے۔

## امتِ مسلمہ کا خطاب

لیکن مسلمانوں کی نسبت جن کو قرآن شریف اور تمام مذہبی کتابوں اور تاریخوں اور ادبیات میں "مسلمون" اور "امت مسلمہ" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ اور اب بھی دنیا کے ہر گوشہ میں وہ "مسلم" کے لقب سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ لفظ اسلام کی طرف ہے جس کے معنی خدا کی بادشاہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا، سپر ڈال دینا اور اپنے کو (-Sur
(render حوالہ کر دینا ہے، جو ایک مستقل فیصلہ، ایک معین رویہ، طرز حیات اور مسلک زندگی ہے۔ وہ باوجود اپنے پیغمبر سے شدید تعلق کے بحیثیت قوم کے محمدی نہیں کہلاتے ہندوستان میں پہلی مرتبہ انگریزوں نے ان کو (Mohammedans) اور ان کے قانون (Mohammedan Law) کے نام سے موسوم کیا لیکن ان لوگوں نے جو اسلام کی روح سے واقف تھے اس پر اعتراض کیا، اور اپنے لئے اسی قدیم لقب مسلم کو ترجیح دی اور ان اداروں کو جن کا نام انگریزوں کے ابتدائی دور حکومت میں (-Mohammedan Col
(lege یا محمڈن کانفرنس پڑ گیا تھا۔ مسلم سے تبدیل کر دیا۔

## عقیدہ اور دین و شریعت مسلمانوں کے نزدیک بنیادی اہمیت رکھتے ہیں

اسی بنا پر عقیدہ اور دین و شریعت مسلمانوں کے پورے نظامِ زندگی اور ان کی تہذیب و معاشرت میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور وہ قدرتی طور پر ان کے معاملہ میں غیر معمولی طریقہ پر ذکی الحس (SENSITIVE) واقع ہوئے ہیں۔ ان کے انفرادی اور قومی

مسائل پر غور کرنے نیز قانون سازی، دستور اور آئین، حتی کہ معاشرتی اور اخلاقی امور میں اس بنیادی حقیقت کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ ان کا شخصی اور عائلی قانون (Personal Law) کا اصل اور بنیادی حصہ قرآن شریف سے ماخوذ ہے اور اس کی تفصیلات وجزئیات اور تشریحات حدیث وفقہ پر مبنی ہیں۔

مسلم پرسنل لاء مسلمانوں کی شریعت ومذہب کا جز ہے۔ اور وہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، کسی سماجی تجربہ یا سماجیات (Social Scences) کے مطالعہ وعلم، یا دانشوروں، قانون سازوں اور اصلاحی کام کرنے والوں (Reformers) کی دین نہیں ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان حکومت بھی اس میں تبدیلی نہیں کر سکتی۔

وہ اس لئے بھی مذہب کا جز ہے اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اسلام میں مذہب کا دائرہ عقائد وعبادات میں محدود نہیں، وہ باہمی تعلقات، حقوق وفرائض اور معاشرت وتمدن پر حاوی ہے اور اس لئے بھی کہ مذہب کو اگر تمدن ومعاشرت سے، اور تمدن ومعاشرت کو مذہب سے الگ کر دیا جائے تو مذہب بے اثر، محدود اور کمزور اور تمدن معاشرت شتر بے مہار اور خواہشات ومفادات کا آلہ کار بن جاتے ہیں۔ (۱)

## قوانین شریعت میں ترمیم یا تغیر کا کسی کو حق نہیں

ان میں کچھ حصہ ایسی وضاحت وقطعیت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا ہے یا وہ ایسے تواتر کے ساتھ ثابت اور ایسے تسلسل کے ساتھ اس پر عمل رہا ہے یا اس پر علماء کا ایسا اجماع ہو چکا ہے کہ اس کا انکار کرنے والا اب اصولی وقانونی لحاظ سے دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ اور خواہ اس کی تشریح اور عملی تطبیق (Application) میں کتنا ہی زمانہ کا لحاظ کیا جائے اس میں تغیر وتبدل اور ترمیم کا کوئی سوال نہیں، اس معاملہ میں کسی مسلم اکثریت کے

(۱) اس کو مزید سمجھنے کے لئے ملاحظہ ہو "مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت واہمیت" از مصنف

ملک کی نمائندہ حکومت اور مجلس قانون ساز کو بھی کسی تبدیلی کا اختیار نہیں اور بالفرض اگر ایسا کیا گیا یا کرنے کا ارادہ ہے تو یہ ایک تحریف کا عمل اور مداخلت فی الدین کے مرادف ہے۔ البتہ جو مسائل اجتہادی ہیں اور جن میں زمانہ کے تغیر سے برابر ترمیم یا لچک پیدا کی جاتی رہی ہے وہ مسلم دانشور اور ماہرین فقہ جو مسائل کے استنباط کی اہلیت رکھتے ہیں اپنے ارادہ واختیار سے اور ضروری بحث و نظر کے بعد غور و فکر، جدید حالات و تغیرات کی رعایت کرتے ہوئے ان کو وقت اور عملی زندگی سے ہم آہنگ بنا سکتے ہیں اور یہ عمل (Process) تاریخ اسلام کے ہر دور میں جاری رہا ہے۔ اور مسلمانوں کے آخری نسل تک ضروری ہے۔

## دوسری ملّی خصوصیت، طہارت کا مخصوص تخیل اور نظام ہے

دوسری ملّی خصوصیت طہارت کا مخصوص تخیل اور نظام ہے۔ اس موقع پر نظافت (Cleanliness) و طہارت (Purification) کا فرق بھی سمجھ لینا چاہئے۔

نظافت کے معنی یہ ہیں کہ بدن پر میل کچیل نہ ہو، کپڑے صاف ستھرے ہوں، طہارت کے معنی یہ ہیں کہ جسم یا کپڑوں میں پیشاب، پاخانہ یا ایسی گندی چیزیں مثلاً شراب کا کوئی قطرہ، خون، کتے کا لعاب وغیرہ جانور کا گوبر، گویا حرام پرندکی بیٹ وغیرہ نہ لگی ہو، اب اگر جسم یا کپڑے پر پیشاب کی ایک چھینٹ بھی لگ جائے یا خون کا کوئی قطرہ یا گوبر، بیٹ وغیرہ لگی ہو تو جسم کتنا ہی صاف اور کپڑے کتنے ہی اُجلے ہوں مسلمان طاہر نہیں ہوگا۔ اور اس جسم اور کپڑے کیساتھ نماز نہیں پڑھ سکے گا۔ اسی طرح اگر اس نے پیشاب اور پاخانہ کے بعد استنجا نہیں کیا ہے یا اس کو غسل کی ضرورت ہے تو وہ نجس ہے، نماز نہیں پڑھ سکتا۔ یہی حکم برتنوں، ظروف، فرش اور زمین کا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ اگر وہ صاف ستھرے اور بے داغ ہوں تو وہ طاہر بھی ہوں، ان چیزوں کے لگ جانے سے جن کا تذکرہ اوپر آیا ان میں سے کوئی چیز بغیر پاک کئے طاہر نہیں ہوگی۔ اور وہ استعمال کے قابل نہیں بنے گی۔

## تیسری ملیّ خصوصیت انکی غذا کا نظام ہے جو قرآن کریم کے احکام کے تابع ہے

ان کی تیسری ملی خصوصیت یہ ھے کہ وہ کھانے پینے اور جانوروں اور پرندوں کے گوشت کے استعمال میں آزاد نہیں ہیں کہ جو چاہیں کھائیں پئیں، ان کے لئے قرآن مجید وشریعت میں حلال وحرام اور خبیث (Prohibited) وطیب (Permissible) کے درمیان ایک لکیر کھینچ دی گئی ہے۔ وہ اس کو پھلانگ نہیں سکتے۔ جانوروں اور پرندوں کے بارے میں وہ اس کے پابند ہیں کہ ان کو بغیر شرعی طریقہ پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لئے بغیر ان کا گوشت استعمال نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی جانور شرعی طریقہ پر ذبح نہیں ہوا یا شکار میں کسی پرندہ کو حلال کرنے کی نوبت نہیں آئی تو وہ ان کے لئے مردار کا حکم رکھتا ہے۔ اسی طرح اگر جانور کو ذبح کیا جائے لیکن وہ غیر اللہ کی نیت سے ہو یا اس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے خواہ وہ کوئی دیوی، دیوتا یا بُت ہو، یا کوئی پیغمبر ولی اور شہید تو وہ بھی مردار کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کا کھانا جائز نہیں، جانوروں میں سور اور کتا تو ابدی طور پر حرام اور نجس ہیں، بعض کا کھانا ممنوع اور گوشت حرام ہے حالانکہ وہ اپنی ذات سے نجس نہیں مثلاً درندے شیر، تیندوا، چیتا وغیرہ، اسی طرح بعض پرندے ان کے لئے حلال ہیں۔ اور بعض حرام مثلاً شکار کرنے والے اور پنجہ سے کھانے والے پرندے شکرا، باز وغیرہ حرام ہیں۔ اور غیر شکاری چونچ سے کھانے والے حلال، یہ درحقیقت ابراہیمی تہذیب کا شعار ہے۔ اور انھیں کے ذوق ووجدان کو اس کے بارے میں معیار قرار دے کر مسلمانوں کو خواہ وہ دنیا کے کسی ملک اور تاریخ کے کسی دور کے ہوں، اس کا پابند بنا دیا گیا ہے۔

## چوتھی خصوصیت حضور ﷺ سے قلبی ربط و تعلق (مگر غلو و مبالغہ سے پاک) ہے

ان کی چوتھی خصوصیت ان کا اپنے پیغمبر سے گہرا تعلق ہے، ان کے یہاں پیغمبر

خدا(۱) علیہ ﷺ کی حیثیت محض ایک بڑے انسان، قابل تعظیم شخصیت اور مذہبی پیشوا کی نہیں، ان کا تعلق آپؐ کی ذات کے ساتھ اس سے کچھ زیادہ اور اس سے کچھ مختلف ہے جہاں تک آپؐ کی عظمت کا تعلق ہے اس کو اس مشہور مصرعہ سے زیادہ بہتر طریقہ پر ادا نہیں کا جاسکتا۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ان کو آپ کے بارے میں تمام مشرکانہ خیالات اور اس غلو اور مبالغہ سے بھی روکا گیا ہے۔ جو بعض پیغمبروں کی امتوں نے اپنے پیغمبر کے متعلق روا رکھا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں صاف طریقہ پر آیا ہے کہ مجھے میری حد سے نہ بڑھانا، اور میرے بارے میں اس مبالغہ سے کام نہ لینا جو عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کے بارے میں روا رکھا، کہنا ہو تو یوں کہنا کہ خدا کا بندہ اور خدا کا رسول۔

## مسلمانوں کو اپنے نبی سے جو محبت و عشق ہے اس کی مثال نہں ملتی

لیکن اس معتدل عقیدہ اور تعظیم کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے پیغمبر کے ساتھ وہ جذباتی لگاؤ، وہ قلبی ربط و تعلق ہے جو ہمارے محدود علم و مطالعہ میں کسی قوم و ملت میں اپنے پیغمبر کے ساتھ نہیں پایا جاتا، یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان میں سے ہزاروں، لاکھوں افراد آپ کو اپنے والدین، اولاد اور جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اور آپ کے ناموس مبارک کی حفاظت اپنا فریضہ جانتے ہیں۔ وہ کسی وقت بھی ناموس مبارک پر آنچ آنے تک کو برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ معاملہ میں اتنے جذباتی اور حساس واقع ہوئے ہیں کہ ایسے نامبارک موقع پر وہ بے قابو ہو جاتے ہیں اور اپنی زندگیوں کو قربان کر دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ ہر دور میں اس بیان کی صداقت کے لئے واقعات و دلائل ملیں گے۔ آج بھی آپ کا نام آپ کا

---

(۱) محمد ﷺ کے تفصیلی حالات کا مطالعہ کیجئے "نبی رحمت" اردو ہندی انگریزی۔ ملنے کا پتہ "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ناموس، آپ کا شہر، آپ کا کلام، آپ سے نسبت رکھنے والی چیزیں مسلمانوں کیلئے محبوب ترین اشیاء ہیں۔ اور وہ ان کے خون اور اعصاب میں حرکت و حرارت پیدا کرتی رہتی ہیں۔ اس بات کی ترجمانی ایک مشہور ہندوستانی شاعر مولانا ظفر علی خاں (بی۔اے علیگ) اڈیٹر "زمیندار" نے اپنے ان دو شعروں میں کی ہے، وہ کہتے ہیں ؂

نماز اچھی زکوٰۃ اچھی حج اچھا روزہ بھی اچھا ۔۔۔ مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ یثرب کی عزت پر ۔۔۔ خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

جس کثرت سے آپ پر درود بھیجا جاتا ہے اور مسلمانوں کے یہاں اس کی جو اہمیت اور فضیلت ہے جس کثرت سے سیرت پر کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھی گئیں اور لکھی جارہی ہیں، روح کے جس سوز و گداز، قلب کی جس محبت اور عاشقانہ جذبے اور شاعری کے جن محاسن و کمالات، زبان کی جس فصاحت و بلاغت اور بیان کی جس عذوبت و حلاوت کا اظہار نعتیہ شاعری میں کیا گیا اور کیا جارہا ہے اس کی نظیر دنیا کے لٹریچر میں نہیں ملتی۔

صبا یہ جا کے کہیو مرے سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

## عقیدۂ ختم نبوت

مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ اور آپؐ پر وحی و نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ اب آپؐ کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کاذب اور مفتری ہے۔ اس عقیدہ کی بنیاد قرآن و حدیث اور تواتر پر ہے (۱) اور اس عقیدہ نے مسلم معاشرہ کے لئے ہمیشہ ایک آہنی حصار اور سرحدی خط (Lint of De-

(۱) کسی قول یا فعل کے سننے یا دیکھنے والے اور پھر اس کو نقل کرنے والے ہر دور میں اتنی تعداد میں رہیں کہ عقل انسانی ان سب کے دروغ گو ہونے کو باور نہ کرے۔

(marcation) کا کام دیا ہے۔ اور اس نے ہر دور میں مسلمانوں کو ہوشیار اور چالاک لوگوں کی سازش کا شکار ہونے سے بچایا ہے۔

## صحابہ کرام اور اہل بیت نبوی سے محبت

مسلمان ان سب حضرات کی جنھوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ کی صحبت کا ان کو شرف حاصل ہوا اور ان کو عُرف عام میں صحابہ کہتے ہیں، ان کے بارے میں اچھا خیال اور ان کی خدمات کا اعتراف کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور ان کو مثالی مسلمان، اپنا محسن اور بزرگ سمجھتے ہیں اور جب کبھی وہ ان میں سے کسی کا نام لیتے ہیں تو "رضی اللہ عنہ" کہتے ہیں یعنی اللہ ان سے راضی ہو، ان میں چار جلیل القدر صحابیوں کو جو علی الترتیب آنحضرت ﷺ کے جانشین و خلیفہ ہوئے یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو ان صحابہ میں بھی سب سے بلند مرتبہ سمجھتے ہیں اور جمعہ و عیدین کے خطبہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد ان کا نام لیتے ہیں ان کے علاوہ چھ اور صحابی بھی ہیں جن کو رسول ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی تھی۔ یہ دس حضرات عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں۔

مسلمان آنحضرت ﷺ کے خاندان کے لوگوں جن کو اہل بیت کہتے ہیں اور جن میں آپ کی بیویاں، صاحبزادیاں اور آپ کے نواسے (امام حسنؓ، امام حسینؓ) شامل ہیں سے محبت رکھنا بھی اپنا فرض سمجھتے ہیں اور ان کو ہمیشہ محبت و تعظیم اور عزت وادب کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اور اس کو اپنے پیغمبر سے محبت کا تقاضا اور لازمہ سمجھتے ہیں۔

## قرآن مجید کی عظمت اور اس کا مقام

یہی معاملہ ان کا قرآن مجید کے ساتھ ہے کہ اس کو محض دانشمندی، اخلاقی نصائح اور معاشرتی قوانین کا کوئی مجموعہ نہیں سمجھتے جو کسی درجہ میں قابل احترام ہیں۔ اور جب سہولت سے ممکن ہو اس پر عمل کر لیا جائے بلکہ وہ اس کو اول سے لے کر آخر تک لفظاً و معنیً

خدا کا کلام اور وحی الٰہی سمجھتے ہیں۔ جس کا ایک ایک حروف اور ایک ایک نقطہ محفوظ ہے اور اس میں کسی شوشہ کی تبدیلی بھی نہیں ہو سکتی۔ وہ اس کو ہمیشہ باوضو پڑھتے اور اونچی جگہ رکھتے ہیں۔

## قرآن مجید کے حفظ کا مسلمانوں میں رواج

قرآن مجید کے حفظ کا تمام دنیا میں رواج ہے۔ ہندوستان میں اس کیلئے مستقل مدارس قائم ہیں جہاں تجوید کی فنی طور پر تعلیم دی جاتی ہے اور حفظ کرایا جاتا ہے، صرف ہندوستان میں حفاظ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو کر لاکھوں تک پہونچ گئی ہے۔ ان میں ایسے جید حفاظ بھی ہیں۔ جو ایک ایک شب میں قرآن شریف سنا دیتے ہیں اور ایسی ہستیاں بھی پائی جاتی ہیں جن کا رمضان میں روزانہ ایک قرآن شریف حفظ پڑھ لینا برسوں سے معمول چلا آرہا ہے۔ ان حفاظ میں دس دس بارہ بارہ برس کے بچے بھی بکثرت ہیں جن کو یہ ضخیم کتاب زبانی یاد ہے۔ اور اس کو وہ روانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں عورتوں میں بھی ہر زمانہ میں ایک بڑی تعداد حافظوں کی رہی ہے۔

## مسلمانوں کی پانچویں ملی خصوصیت، عالمگیر اسلامی برادری سے ربط و تعلق اور اس کے مسائل سے دلچسپی

مسلمانوں کی پانچویں ملی خصوصیت جس کا سمجھنا اور لحاظ کرنا حقیقت پسندی کا تقاضہ ہے، یہ کہ وہ اپنے کو ایک عالمگیر ملت اور اپنے دین کو آفاقی اور عالمی دین سمجھتے ہیں وہ اپنے اس ملک سے (جہاں کے وہ باشندے ہیں) انس و محبت اور وفاداری و خیر سگالی کا پورا جذبہ اور اس کی تعمیر و ترقی میں سرگرم حصہ لینے کے ساتھ اپنے کو اس بین الاقوامی کنبہ کا ایک فرد یا اس بین الاقوامی ملت کا ایک کنبہ تصور کرتے ہیں، اور وہ عام اسلامی مسائل سے دلچسپی لیتے دوسرے مسلم ممالک کے مصائب و مسائل سے متاثر ہوتے اور امکانی حدود کے

اندر ان کے ساتھ اظہار ہمدردی اور ان کی اخلاقی مدد کو حب الوطنی اور ملکی وفاداری کے منافی نہیں سمجھتے بلکہ دین، انسانیت، فطرت اور انصاف کا تقاضہ تصور کرتے ہیں اور اس کو اپنے ملک کے لئے مفید اور باعث استحکام یقین کرتے ہیں۔ یہ ان کا ملی مزاج اور ان کی تعلیم و تاریخ کا فطری تقاضا ہے۔ اور ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے یا کوئی طرز عمل متعین کرنے سے پہلے ان کی اس مزاجی خصوصیت کا سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔

## چوتھا باب

# مسلمانوں کے تہوار

### دو۲ بڑے تہوار

مسلمانوں کے دو۲ سب سے بڑے تہوار عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں، جن کو عید وبقر عید کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ عید رمضان کے مہینہ کے خاتمہ اور شوال (جو اسلامی کلنڈر کا دسواں مہینہ ہے) کے چاند نکلنے پر شوال کی پہلی تاریخ کو ہوتی ہے، چونکہ رمضان کا مہینہ روزے کا مہینہ ہے، اور وہ صبر و عبادت، ضبط نفس اور دینی و روحانی اشغال میں گزرتا ہے اس لئے قدرتی طور پر عید کے چاند کا بڑا انتظار ہوتا ہے خاص طور پر انتیسویں کے چاند کی زیادہ خوشی ہوتی ہے اردو میں عید کا چاند اور انتیسویں کا چاند شوق و مسرت کے لئے ضرب المثل بن گئے ہیں۔ رمضان کی انتیس کو آفتاب غروب ہونے کے وقت مسلمانوں کی نگاہیں آسمان کی طرف ہوتی ہیں اور ہر عمر اور ہر طبقہ کے لوگ چاند کی تلاش میں مشغول ہوتے ہیں، انتیسویں کو چاند نظر نہیں آتا تو اگلے روز پھر روزہ رکھا جاتا ہے اور تیس کا چاند یقینی ہو جاتا ہے۔ جیسے ہی چاند پر نظر پڑتی ہے ہر طرف سے مبارک، سلامت کا غُل بلند ہو جاتا ہے۔ چھوٹے بڑوں کو سلام کرتے ہیں، بچے خاندان کے بزرگوں اور خواتین کو عید کا مژدہ سناتے ہیں۔ اور ان کی دعائیں لیتے ہیں۔ جو لوگ پڑھے لکھے ہیں اور سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ چاند دیکھ کر حسب ذیل دعا کرتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ربی وربك اللہ! هلال رشد و خير اللهم اهلّه علينا بالامن والايمان والسلامة والاسلام والتوفيق لماتحب وترضی | (اے چاند) میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے تو ہدایت اور بھلائی کا چاند ہے۔ اے اللہ اس مہینہ کو ہمارے اوپر امن وایمان سلامتی اور فرمانبرداری اور اپنی مرضیات کی توفیق کے ساتھ شروع فرما۔ |

## عید کا استقبال اور اس دن کے اعمال

کئی دن پہلے سے عید کی تیاری شروع ہو جاتی ہے لیکن عید کی رات میں بڑی ہماہمی اور بازاروں اور گھروں میں چہل پہل ہوتی ہے۔ صبح سے ہی عید کی تیاری شروع ہو جاتی ہے اس حقیقت کے اظہار کے لئے آج روزہ نہیں ہے اور خدا نے ۲۹ یا ۳۰ دن کے بر خلاف آج کھانے پینے کی اجازت دے دی ہے،۔ صبح ہی صبح حسب حیثیت کھجور یا شیر خرمے سے تواضع کی جاتی ہے۔ پھر غسل کا اہتمام شروع ہوتا ہے۔ خدا نے جن کو مقدرت دی ہے، وہ اس دن نیا جوڑا پہننا ضروری سمجھتے ہیں، نہادھو کر کپڑے پہن کر عطر خوشبو لگا کر لوگ عید گاہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ عید گاہ جانے سے پہلے غریبوں کے لئے غلہ نکالتے ہیں جس کو صدقہ فطر کہتے ہیں، یہ گویا رمضان کے روزوں کا شکریہ ہے۔ اگر گیہوں کی شکل میں ہو تو اس کا وزن پونے دو سیر کے قریب ہوتا ہے۔ اور اگر جو ہو تو اس کا دوگنا اور اس کی قیمت بھی ادا کی جا سکتی ہے۔ جو غلہ کے نرخ کے مطابق گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ یہ صدقہ بالغوں کے علاوہ بچوں کیطرف سے بھی ادا کیا جاتا ہے۔ عید کی نماز سورج بلند ہونےکے بعد ادا کرنا سنت ہے اور اسمیں جتنی جلدی ہو اتنی ہی بہتر ہے سب سے بڑی جماعت شہر کی عید گاہ میں ہوتی ہے۔

### عید کی نماز

مسلمان عید کی نماز پڑھنے جب جاتے ہیں تو راستہ میں اللہ کی تعریف اور شکر کے الفاظ آہستہ آہستہ کہتے ہوئے جاتے ہیں۔ مسنون یہ ہے کہ ایک راستہ سے عید گاہ جائے اور

دوسرے راستہ سے واپس آئے تاکہ دونوں طرف خدا کی عظمت اور مسلمانوں کے ذوقِ عبادت اور شانِ وحدت کا اظہار ہو جائے (۱)۔

پنجگانہ نمازوں اور جمعہ کے برخلاف عیدین کی نماز سے پہلے نہ اذان ہے نہ اقامت نہ کوئی سنت نہ نفل ہے، جیسے ہی مسلمان جمع ہو جاتے ہیں یا نماز کا وقت آجاتا ہے، امام آگے بڑھ جاتا ہے اور نماز شروع کر دیتا ہے، عام نمازوں کی طرح ہر رکعت میں دو تکبیریں ہیں ایک تکبیر تحریمہ جس سے نماز شروع کی جاتی ہے اور ایک رکوع کی تکبیر لیکن عیدین کی نماز میں حنفیوں کے یہاں ہر رکعت میں چار تکبیریں ہیں (۲)، سلام پھیرنے کے بعد فوراً امام منبر پر چلا جاتا ہے۔ اور عید کا خطبہ دیتا ہے جو جمعہ کی طرح دو حصّوں میں تقسیم ہے۔ ایک خطبہ دیکر چند سکنڈ کے لئے وہ بیٹھ جاتا ہے۔ پھر کھڑا ہوتا ہے اور دوسرا خطبہ دیتا ہے، جمعہ میں پہلے خطبہ ہے پھر نماز، عید میں پہلے نماز ہے پھر خطبہ اس میں عید کی حقیقت اس کا پیام، عید کے احکام ومسائل اور وقت کے مطالبات اور تقاضوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

## بقر عید میں قربانی کا اہتمام اور اس کی عظمت

عید الاضحیٰ (بقر عید) میں صرف قربانی کا اضافہ ہے۔ اس میں صدقہ فطر نہیں دیا جاتا۔ اس کے علاوہ ایک فرق یہ بھی ہے کہ عید شوال کی پہلی تاریخ کو ہوتی ہے اور عید الاضحیٰ ذی الحجہ جو قمری سال کا بارھواں مہینہ ہے) کی دس تاریخ کو ہوتی ہے یہ وہ دن ہے جب مکہ میں حاجی حج کے ارکان سے فارغ ہو جاتے ہیں اور منیٰ میں جو مکہ سے چار میل پر شہر سے باہر ہے اللہ کے ذکر عبادت، قربانی اور اللہ کی نعمتوں کے استعمال اور کھانے پینے میں مشغول ہوتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عید الفطر ایک دن کی ہوتی ہے اور عید الاضحیٰ تین دن (۱۰/۱۱/۱۲ ذی الحجہ) نماز عید الاضحیٰ تو دس ذی الحجہ ہی کو پڑھی جاتی ہے لیکن قربانی ۱۲/ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہو سکتی ہے۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر ایک اضافہ یہ بھی ہے کہ

---

(۱) اس سے یہ فائدہ بھی ہے کہ اژدحام میں کمی ہو جاتی ہے۔ (۲) عید کی نماز کی مفصل ترکیب مسائل کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

۹رذی الحجہ کی نماز فجر کے بعد سے ۱۳رذی الحجہ کی نماز عصر تک ہر فرض نماز کے بعد کچھ مخصوص الفاظ بلند آواز سے کہے جاتے ہیں جن میں خدا کی عظمت کا اعلان اور اس کی حمد کا ترانہ ہے۔ان کو تکبیراتِ تشریق کہتے ہیں ان کے الفاظ اور ترجمہ حسبِ ذیل ہے۔

| | |
|---|---|
| اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الااللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد. | اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی پرستش کے قابل نہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور اللہ ہی کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ |

قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جاتے ہیں، ایک حصہ گھر والوں اور اپنے استعمال اور ضیافت کے لئے اور ایک حصہ دوست احباب کے لئے اور ایک حصہ مساکین وغرباء کے لئے، یہ دن کھانے پینے کے شمار کئے گئے ہیں۔اور عید الفطر کے ایک دن اور عید الاضحیٰ کے تینوں دن روزہ رکھنا ناجائز ہے۔عام طور پر مسلمان عید الاضحیٰ کے دن فراغت کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔اور بہت سے لوگوں کو وہ نعمتیں مل جاتی ہیں اور گوشت کی اتنی مقدار کھانے میں آتی ہے جو اکثر اوقات سال بھر میسّر نہیں ہوتی۔

## دونوں تہوار مسلمانوں کے بینِ الاقوامی تہوار ہیں

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے تہوار مسلمانوں کے عالمگیر اور بین الاقوامی تہوار ہیں۔جن میں کسی ملک، قوم اور طبقہ کا استثنا نہیں اور یہی وہ دو تہوار ہیں جن کی شرعی اور دینی حیثیت میں کسی کو اختلاف نہیں۔اور کسی دور میں بھی ان میں کلام نہیں کیا گیا۔اور تقریباً سارے ممالک میں خواہ مسلمانوں کی اکثریت کے ملک ہوں یا اقلیت کے ان کے منانے کے طریقے اور ان کے اعمال وفرائض میں کوئی بڑا فرق نہیں اور یہ ان تمام دینی اعمال ومراسم کی خصوصیت ہے۔جو قرآن وحدیث سے ثابت اور مسلمانوں میں متواتر اور مسلسل طریقے پر چلے آرہے ہیں۔

پانچواں باب

# مسلمانوں کی معاشرت

## ولادت سے بلوغ تک

شریعت اسلامی نے ایک مسلمان کے لئے پیدائش سے موت تک اس کے انتظامات کئے ہیں اور ایسا ماحول تعمیر کرنے کی کوشش کی ہے جس میں مسلمان اس حقیقت کو فراموش نہ کرنے پائے۔ اس کو ہر وقت اور زندگی کی ہر منزل میں یاد رہے کہ ہم ایک الگ امت ہیں۔ ہم ملتِ ابراہیمی اور امتِ محمدیؐ کے فرد اور ایک مخصوص شریعت و آئین مسلک زندگی کے پیرو اور خدا کے موحّد اور وفادار بندے ہیں۔ ہماری زندگی بھی اسی آئین و مسلک کی وفاداری میں گزرے اور جب موت آئے تو اسی دین و ملت پر آئے۔

### بچہ کی پیدائش اور اس کے کانوں میں اذان اور اقامت

کسی مسلمان کے گھر میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے خاندان یا محلہ کے کسی نیک آدمی یا بزرگ خاندان کے پاس لاتے ہیں، وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہتا ہے، یہ اذان واقامت (جس کے الفاظ اور ترجمہ نماز کے مضمون میں گزر چکا ہے۔ نماز کے لئے مخصوص ہے اور بچہ نماز تو درکنار اس اذان واقامت کا مطلب اور مقصد بھی نہیں سمجھتا۔ شاید اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس کے کان میں

اللہ کا نام اور اس کی عبادت کی پکار پڑے۔ ایسے موقع پر کسی بزرگ کے چبائے ہوئے کھجور یا چھوہارے کا ایک ریزہ برکت کے لئے اس کے منہ میں دینے کا بھی رواج ہے۔ یہ بات پیغمبر خدا ﷺ کے طریقہ عمل سے بھی ثابت ہے اور یہ سنت وہیں سے چلی ہے۔

## بچہ کا عقیقہ اور اس کا طریقہ

ساتویں دن بچہ کا عقیقہ (مونڈن) کرنا مستحب(۱) ہے۔ کسی وجہ سے اگر ساتویں دن نہ ہو سکے تو چودھویں دن اسی حساب سے بعد میں ہوتا ہے۔ اگر بچہ ہے تو دو بکرے اور اگر بچی ہے تو ایک بکرا ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا گوشت غریبوں اور عزیزوں کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور گھر میں بھی پکا کر کھایا اور کھلایا جاتا لیکن نہ عقیقہ شرعی حیثیت سے فرض اور واجب ہے اور نہ ان جانوروں کا ذبح کرنا، اگر کسی کو اس کی مقدرت نہیں تو ضروری نہیں ہے۔

## بچہ کا نام اور اس میں اسلامیت کا اظہار

عام طور پر ایسے ہی عقیہ کے موقع پر بچہ کے نام کا اعلان کر دیا جاتا ہے، اکثر خاندان کے کسی بزرگ یا محلہ و مسجد کے کسی صاحب علم اور نیک آدمی سے نام تجویز کرایا جاتا ہے یا خود والدین یا ان کے بزرگ اپنی پسند کا کوئی نام انتخاب کر لیتے ہیں، نام رکھنے میں اکثر عربی طرز کے ناموں کو ترجیح دی جاتی ہے تاکہ بچوں کے نام سے اسلامیت کا اظہار ہو اور نام ہی سے سمجھ لیا جائے کہ وہ مسلمان ہے، مسلمان دانشور اس میں بہت سے نفسیاتی (Psychological) فوائد بتاتے ہیں اور بعض ایسے ملکوں (مثلاً چین) کا حوالہ دے کر اس پابندی کی اہمیت پر زور دیتے ہیں جہاں نام سے یہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ آدمی مسلمان ہے یا غیر مسلم، جہاں تک اسلامی شریعت کا تعلق ہے اس بارے میں شریعت نے قانونی طور پر مسلمانوں کو خاص ناموں کا پابند نہیں کیا ہے۔ صرف اتنی رہنمائی کی ہے کہ بہترین نام وہ ہیں جن سے خدا کی بندگی (یعنی توحید) کا اظہار ہو اس لئے دنیا کے تمام اسلامی ملکوں کے

---

(۱) جس کام کے کرنے پر اجر ملے نہ کرنے پر کوئی مواخذہ یا گناہ نہ ہو اسے مستحب کہتے ہیں۔

مسلمانوں کے نام کی اکثریت وہ ہے جو عبد (بندہ) کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ مثلاً عبداللہ، عبدالرحمن، عبدالواحد، عبدالاحد، عبدالصمد، عبدالعزیز، عبدالماجد، عبدالمجید وغیرہ۔ یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ نام سے شرک، تکبر یا نافرمانی کا اظہار نہ ہوتا ہو اسی بنا پر ملک الملوک اور شاہنشاہ کے الفاظ ناپسند کئے گئے ہیں۔

## برکت و نیک نامی کی خاطر انبیاء و صحابہ کے ناموں کو ترجیح

ناموں کے سلسلہ میں ایک مسلمان کا ذہن سب سے پہلے قدرتی طور پر اپنے پیغمبرؐ اس کے جلیل القدر رفیقوں اور ساتھیوں اور اس کے خاندان کے قابل احترام و محبت افراد کی طرف جاتا ہے اور وہ برکت و نیک فالی کے لئے ان کے ناموں کو ترجیح دیتا ہے۔

ناموں کے سلسلہ میں یہ بات خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ اگر چہ آنحضرت ﷺ کا نسلی تعلق اور مسلمانوں کی زیادہ تر ذہنی وابستگی اسماعیلی شاخ سے ہے۔ اور بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل (عربوں اور یہودیوں) میں بعد اور اختلاف شروع سے چلا آرہا ہے۔ لیکن چونکہ مسلمانوں کے عقیدہ میں خدا کے سب پیغمبر قابل احترام اور قابلِ تعظیم ہیں۔ اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے، قطع نظر اس بات سے کہ وہ اسماعیلی شاخ میں ہوئے ہوں یا اسرائیلی شاخ میں، اس لئے مسلمان ناموں کے بارے میں کسی نسلی تعصب کا شکار نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ تنہا ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد ایسے مسلمان ہوں گے جن کا نام اسحٰق علیہ السلام اور ان کی اولاد کے نام پر رکھا گیا ہوگا اور وہ اسحٰق، یعقوب، یوسف، داؤد، سلیمان، موسیٰ، ہارون، عیسیٰ، عمران، زکریا اور یحییٰ کہلاتے ہیں اور یہ سب اسرائیلی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح عورتوں میں مریم، صفورا، آسیہ نام پائے جاتے ہیں جو اسرائیلی شاخ کی بزرگ خواتین کے نام ہیں۔

## پاکی اور طہارت کی تعلیم

بچہ جب کچھ سیانا ہوتا ہے اور کچھ سمجھنے بوجھنے لگتا ہے تو اس کو طہارت لینے کی

تعلیم دی جاتی ہے۔ یعنی پیشاب پاخانہ کے بعد پانی سے پاکی حاصل کرنا، ناپاک چیزوں سے بچنے اور جسم اور کپڑوں کو ناپاکی سے بچانے کی ہدایت کی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ بچہ پورے طور پر اس بارے میں احتیاط نہیں کر سکتا اور اس میں ماحول تعلیم و تربیت اور خاندانی مشغلہ اور پیشہ کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ لیکن پھر بھی دیندار ماں باپ اس کا اہتمام کرتے ہیں اور کرنا چاہیئے۔

## نماز کی تلقین اس کی تعلیم اور عملی مشق

اس عمر میں بچہ کو وضو کرنا بھی سکھادیا جاتا ہے اور نماز کا بھی شوق دلایا جاتا ھے۔ باپ یا خاندان کے بزرگ بچہ کو اکثر اپنے ساتھ مسجد لے جاتے ہیں اور وہ اپنے بزرگوں اور محلّہ والوں کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز کی نقل کرنے لگتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو نماز پڑھنے کی ہدایت کی جائے اور جب دس برس کا ہو تو تاکید بلیغ اور نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ کی جائے۔

## اسلامی آداب و معاشرت کی تعلیم و تربیت

اسی عمر میں دیندار ماں باپ اور پڑھی لکھی مائیں بچہ کو اسلامی آداب کی تعلیم دیتی ہیں۔ مثلاً سب اچھے کام (کھانا کھانا، پانی پینا، مصافحہ کرنا وغیرہ) دائیں ہاتھ سے کئے جائیں اور استنجا وغیرہ بائیں ہاتھ سے پاک کیا جائے۔ پانی بیٹھ کر اور حتیٰ الامکان تین سانسوں میں پیا جائے، بڑوں کو سلام کیا جائے چھینک آنے پر الحمد للہ (اللہ کا شکر ہے) کہا جائے کھانا بسم اللہ کہہ کر شروع کیا جائے اور حمد و شکر پر ختم کیا جائے۔ اسی عمر میں اس کو قرآن شریف کی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور روزمرہ کے اذکار یاد کرائے جاتے ہیں۔ خدا کے پیغمبروں، اور نیک بندوں کے ایسے واقعات اور حالات سنائے جاتے ہیں جن سے اس کے عقائد درست اور پختہ، خیالات نیک اور اچھے بنیں، اور وہ ان کو مثالی کردار سمجھنے لگے۔

## بلوغ کے بعد سے موت تک

بلوغ(۱) کے ساتھ لڑکے پر نماز روزہ اور خاص شرطوں کے ساتھ (جن کی تفصیل مسئلہ مسائل کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے) زکوۃ اور حج فرض ہو جاتے ہیں اور ان کے چھوڑنے پر گنہگار ٹھہرتا ہے۔ اب حلال، حرام، ثواب، عذاب کا قانون اس پر جاری ہو جاتا ہے اور وہ ایک ذمہ دار اور عاقل بالغ انسان کی طرح اپنے اعمال کا اس زندگی اور مرنے کے بعد کی زندگی میں جواب دہ ہو جاتا ہے۔

## نکاحِ مسنون

اسلام میں نکاح کا فریضہ اور شادی کی تقریب بہت سادہ اور مختصر ہے۔ اس کو زندگی کے ایک فریضہ، ایک فطری تقاضہ اور ایک عبادت کی حیثیت سے ادا کیا جانا چاہئے۔ ایجاب و قبول کے دو لفظ اور دو گواہ اس کے لئے ضروری ہیں۔ اس کا مقصد یہ ضمانت ہے کہ یہ تعلق مجرمانہ اور رازدارانہ طریقہ پر اور چوری چھپے نہیں ہے۔ اسی لئے (غیر ضروری لوازمات سے بچتے ہوئے) کسی قدر اعلان اور تشہیر کے ساتھ اس کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے لئے گواہ لازمی ہیں۔ مرد مہر کا ادا کرنا ضروری سمجھے۔ اور عورت کی حفاظت و عزت، اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری لے۔ اس کے سوا اور کوئی چیز ضروری نہیں ہے۔

اسلام کی تاریخ میں اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ باوجود اس کے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم اور مدینہ کی آبادی بہت محدود تھی، بعض ایسے صحابیوں نے جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور جن سے رسول اللہ ﷺ کے نہایت گہرے خاندانی اور وطنی تعلقات تھے۔ مدینہ میں شادی کی اور خود پیغمبر اسلام ﷺ کو (جن کی شرکت باعث برکت بھی اور موجب عزت بھی تھی) محفلِ نکاح میں شرکت کی

---

(۱) بلوغ کے لئے پندرہ سال کی عمر کافی سمجھی جاتی ہے۔

دعوت کی ضرورت نہیں سمجھی اور آپ کو اس پُر مسرت موقع کے واقعہ کا علم واقعہ کے انجام پانے کے بعد کسی قرینہ سے ہوا۔

## نکاح خوانی کی رسم اور اس کا طریقہ

زیادہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ لڑکی کا باپ یا کوئی دوسرا ولی (۱) نکاح پڑھائے اس لئے کہ حضرت فاطمہؓ کا نِکاح خود آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے پڑھایا، اس وقت دو گواہ اور ایک وکیل (۲) لڑکی کی پاس جاکر اس کو اطلاع دیتے ہیں کہ اس کا نِکاح فلاں مرد سے اتنے مہر پر کیا جارہا ہے۔ اس کا جواب عام طور پر خاموشی سے دیا جاتا ہے اور اس کو رضامندی کی دلیل اور منظوری کا مرادف سمجھا جاتا ہے۔ یہ گواہ اور وکیل عام طور پر افراد خاندان اور لڑکی کے قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔ نِکاح خواں اس کے بعد بلند آواز سے قرآن شریف کی کچھ آیات، چند احادیث اور دعائیہ کلمات عربی میں کہتا ہے جس کو خطبۂ نِکاح کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایجاب و قبول کراتا ہے۔ جس کے عام الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ "میں فلاں صاحب کی لڑکی جس کا نام یہ ہے کو ان کی طرف سے اتنے مہر پر تمھارے نِکاح میں دیا۔ تم نے قبول کیا؟ اس پر نوشہ اتنی آواز میں جو قریب میں سن لی جائے کہتا ہے "میں نے قبول کیا" پھر قاضی اور شرکائے محفل دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ زوجین میں محبت والفت ہو اور ان کی ازدواجی زندگی کامیاب اور پُر مسرت گزرے۔ یہ خطبہ عام طور پر عربی میں پڑھا جاتا ہے۔

## نِکاح کے وقت مختصر سی تقریر اور حقوق زوجین کا ذکر

اب کچھ علاصہ سے بہت سے علماء خطبہ کا عربی حصہ اور آیات پڑھنے کے بعد اُردو

---

(۱) فقہ کی اصطلاح میں ولی لڑکی کا وہ مرد رشتہ دار ہے جو عاقل، بالغ ہو، وارث ہو سکتا ہو، اور اس کو شریعت نے تصرف کا اختیار دیا ہو۔ (۲) وکیل وہ شخص ہے جو کسی دوسرے کے حقوق میں اس کی اجازت یا حکم سے بطور نائب کے تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔

میں مختصر تقریر بھی کرنے لگے ہیں جس میں نکاح کی حقیقت اور اس کے فرائض اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ یہ محض رسمی اور تفریحی ہو کر نہ رہ جائے۔ بلکہ اس میں نوشہ اور حاضرین مجلس کو دینی اور اخلاقی پیام ملے اور ان کے اندر احساس ذمہ داری بیدار ہو۔

## ایک تقریر کا نمونہ

یہاں اس تقریر کا ایک نمونہ درج کیا جاتا ہے جو ایک محفلِ نکاح میں ریکارڈ کرلی گئی تھی، اور جو اس اصلاحی طرز کی بہت حد تک نمائندگی کرتی ہے۔

خطبہ مسنونہ کے بعد:

﴿" اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم ، بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم. یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیراً ونساءً واتقوا اللّٰہ الذی تساء لون بہ والارحام. ان اللہ کان علیکم رقیباً(۱) یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقٰتہ ولاتموتن الا وانتم مسلمون.(۲) یاایھا الذین آمنوا اتقو اللہ وقولوا قولاً سدیداً. یصلح لکم اعمالکم ویغفرلکم ذنوبکم . ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً﴾ (۳)

حضرات! یہ نکاح محض رسم ورواج کی پابندی اور محض نفس کے تقاضے کی تکمیل نہیں۔

---

(۱) النساء۔ ترجمہ۔ لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیے اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

(۲) آل عمران۔ ۱۰۲۔ ترجمہ۔ مومنو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔

(۳) الاحزاب۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ترجمہ۔ مومنو! خدا سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص خدا اور رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک بڑی مراد پائے گا۔

نکاح کی سنت ایک عبادت نہیں بلکہ متعدد عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اس سے ایک حکم شرعی نہیں، درجنوں اور بیسیوں شرعی احکام متعلق اور وابستہ ہیں، اس کا مقام قرآن شریف میں بھی ہے اور حدیث میں بھی۔ اور فقہ کی کتابوں میں تو اس کا مستقل باب ہے لیکن اس سنت سے غفلت اتنی عام ہے جتنی کسی اور سنت اور فریضہ سے نہیں بلکہ اس کو اللہ کی نافرمانی، نفس کی رعونت، شیطان کی اطاعت، رسم ورواج کی پابندی کا میدان بنالیا گیا ہے۔ اس میں ہماری زندگی کے لئے پورا پیام ہے۔ اس کا اندازہ آپ قرآن شریف کی ان آیات ہی سے کر سکتے ہیں جن کا پڑھنا خطبۂ نکاح میں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ جو شروع میں پڑھی گئی ہیں، پہلی آیت میں نسل انسانی کے آغاز کا تذکرہ ہے جو اس مبارک موقع پر نہایت مناسب اور فال نیک ہے کہ حضرت آدمؑ کی ایک اکیلی ہستی تھی، اور ایک رفیقۂ حیات جن سے اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی تخلیق کی، جس نے روئے زمین کو بھر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان دو ہستیوں میں ایسی محبت والفت اور ان کی رفاقت میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ آج دنیا اس کی گواہی دے رہی ہے، تو خدا کے لئے کیا مشکل ہے کہ ان دو ہستیوں سے جو آج مل رہی ہیں ایک کنبہ کو آباد اور ایک خاندان کو شاد و بامراد کر دے۔

پھر فرماتا ہے، اپنے اس پروردگار سے شرم کرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔

حضرات! ساری زندگی مسلسل اور مکمل سوال ہے، تجارت، حکومت، تعلیم سب ایک طرح کے سوالات ہیں، ان میں ایک فریق سائل ہے دوسرا فریق مسئول، یہی متمدن زندگی کا خاصہ ہے، یہ عقد اور نکاح کیا ہے؟ یہ بھی ایک مہذب اور مبارک سوال ہے، ایک شریف خاندان نے ایک دوسرے شریف خاندان سے سوال کیا کہ ہمارے نور عین اور لخت جگر کو رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے، اس کی زندگی نا مکمل ہے، اس کی تکمیل کیجئے، دوسرے شریف خاندان نے اس سوال کو خوشی سے قبول کیا پھر وہ دونوں اللہ کا نام بیچ میں لا کر ایک

دوسرے سے مل گئے، اور دو ہستیاں جو کل تک ایک دوسرے سے سب سے زیادہ بیگانہ، سب سے زیادہ اجنبی اور سب سے زیادہ دور تھیں وہ ایسی قریب اور یگانہ بن گئیں کہ ان سے بڑھ کر یگانہ اور قرب کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، ایک کی قسمت دوسرے سے وابستہ اور ایک کا لطف و انبساط دوسرے پر منحصر ہو گیا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، جس نے حرام کو حلال، ناجائز کو جائز، غفلت اور معصیت کو طاعت و عبادت بنادیا اور زندگیوں میں انقلاب عظیم برپا کر دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب اس نام کی لاج رکھنا، بڑی خود غرضی کی بات ہوگی کہ تم یہ نام درمیان میں لا کر اپنی غرض پوری کرلو اور کام نکال لو، پھر اس پُر عظمت نام کو صاف بھول جاؤ اور زندگی میں اسکے مطالبات پورے نہ کرو، آئندہ بھی اس نام کو یاد اور اسکی لاج رکھنا، پھر فرمایا کہ ہاں رشتوں کا بھی خیال رکھنا۔" واتقوا الله الذی تساء لون به والارحام " (اور خدا سے جسکے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو، اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو)۔) آج ایک نیا رشتہ ہو رہا ہے، اسلئے ضرورت پڑی کہ قدیم رشتوں کا بھی ذکر کر دیا جائے کہ اس رشتہ سے قدیم رشتوں کا دور اور انکے حقوق ختم نہیں ہو جاتے، ایسا نہ ہو کہ بیوی کے رشتہ کو یاد رکھو اور ماں کے رشتوں کو بھول جاؤ، خسر کی خدمت بھی ضروری سمجھو اور اپنے حقیقی اور فطری باپ سے منہ موڑ لو، اگر کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ ایسی باتوں کی کون نگرانی کرے گا اور کون ہمیشہ ساتھ رہے گا تو فرمایا کہ "ان الله کان علیکم رقیبا " (کچھ شک نہیں کہ خدا تمھیں دیکھ رہا ہے) اللہ اس پر نگراں ہے، یہ وہ گواہ ہے جو ہر وقت ساتھ رہے گا "نحن اقرب الیه من حبل الورید "اور (اور ہم اس کی رگ جاں سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں)۔

دوسری آیت میں ایک تلخ مگر ناگزیر حقیقت کو یاد دلایا گیا ہے، یہ خدا کے پیغمبر ہی کی شان ہے کہ ایسی محفل مسرت وشادمانی میں ایسی تلخ حقیقت کا ذکر کرے، جس سے آدمی اپنے انجام سے غافل نہ ہونے پائے اور اس دولت پر نظر رکھے جو ساتھ جانے والی اور ہمیشہ

ساتھ رہنے والی ہے، یعنی دولت ایمان، فرمایا کہ یہ زندگی کتنی ہی پر مسرت، اقبال مند، اور طویل ہو، اس کی فکر رکھنا کہ اس کا اختتام خدا کی فرمانبرداری، اور ایمان ویقین پر ہو، یہی وہ حقیقت ہے جس کو دنیا کے ایک کامیاب ترین انسان، جس کو اللہ نے فضل وکمالات، دولت و اقبال، جاہ وجلال اور حسن وجمال سب کی دولت سے مالامال کیا تھا، نقطہ عروج پر پہنچنے کے بعد بھی نہ بھولنے پایا۔

اب آخر میں قبل اسکے کہ نوشہ کی زبان سے وہ مبارک الفاظ "میں نے قبول کیا" کے نکلیں، جس کے سننے کے لئے سب لوگ گوش بر آواز ہیں، قرآن شریف پیغام دیتا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچی اور پکی بات زبان سے نکالو، گویا نوشہ کو ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ اپنی زبان سے نکلنے والے الفاظ کی ذمہ داری اور دوررس نتائج کو محسوس کرے، وہ جب کہے کہ "میں نے قبول کیا" تو سمجھے کہ اس نے کتنا بڑا اقرار کیا ہے اور اس سے اس پر کتنی بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ اگر کوئی ایسے ہی جانچ تول کر بات کہنے کا عادی بن جائے اور اسکے اندر مستقل طور پر احساس ذمہ داری پیدا ہو جائے تو اسکی پوری زندگی اور اسکے اقوال واعمال صداقت اور راستی کے ڈھانچہ میں ڈھل جائیں گے، وہ ایک مثالی کردار بن جائے گا اور خدا کی مغفرت اور رضامندی کا مستحق ہوگا، اور پھر اس پیغام کو اس پر ختم کیا کہ حقیقی کامیابی اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت میں ہے، نہ نفس کی پیروی میں، نہ رسم ورواج کی پابندی میں۔"

خطبہ نکاح اور ایجاب وقبول کے بعد چھوہارے جو اسی موقع کے لئے مہیا کئے جاتے ہیں لٹائے یا تقسیم کئے جاتے ہیں، اور یہ محفل نکاح کی قدیم سنت ہے۔

## ازدواجی زندگی ایک عبادت

اسلام میں ازدواجی تعلق کو زندگی کی ایک ضرورت کی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا، بلکہ اس کو ایک عبادت کا درجہ دیا گیا، جس سے آدمی خدا کے قریب ہوتا ہے، یعنی ہمارے

یہاں ازدواجی تعلق کا، عقد نکاح کا تصور یہ نہیں کہ زندگی کی ضرورت کے تحت یہ کرنا ہی تھا، اور اسکے بغیر زندگی کا تلذذ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کو دینی رنگ دیا گیا، اسکو عبادت قرار دیا گیا، اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اسکا سب سے بڑا نمونہ پیش کیا، اور آپؐ نے فرمایا کہ "تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے بہتر ہوں، چنانچہ آپ اگر سیرت نبوی کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ آپؐ کے اندر صنف نازک کا جو احترام، اسکے جذبات اور لطیف احساسات کا شعور اور ان کا لحاظ تھا وہ طبقہ نسواں کے بڑے سے بڑے وکیل اور عورت کے احترام کے بڑے سے بڑے مدعی کے یہاں نہیں ملتا، اسی طرح سے وہ بڑے بڑے مقدس لوگوں، رشیوں، منیوں، یہاں تک کہ دوسرے پیغمبروں کی زندگی میں ملنا مشکل ہے، ازواج مطہرات کی دلجوئی، انکی جائز تفریحات میں شرکت انکے جذبات کا خیال اور انکے درمیان جو عدل فرماتے تھے، اسکی نظیر نہیں ملتی۔

انھیں کے ساتھ نہیں بلکہ بچوں کے ساتھ بھی آپؐ اس طرح پیش آتے تھے کہ نماز جیسی محبوب ترین چیز میں بھی آپؐ محض اختصار فرمادیتے تھے کہ کسی ماں کو تکلیف نہ ہو اگر کوئی بچہ روتا تھا تو آپؐ نماز میں اختصار فرماتے تھے، یہ انتہائی قربانی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو نماز سے بڑھ کر کوئی چیز تھی ہی نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی قربانی نہیں ہوسکتی تھی، آپؐ فرماتے تھے، بعض مرتبہ میں چاہتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھوں لیکن جب کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کی ماں کا دل نہ لگا ہو، اس کی ماں کا دل نہ گھبرائے، اسلئے نماز مختصر کردیتا ہوں۔ (۱)

## پیش آنے والے قدرتی مراحل اور مسلمانوں کا مخصوص طرز

اب اس کار خیر اور پر مسرت تقریب سے فارغ ہو کر ہم مسلمان کی زندگی میں

(۱) نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں

پیش آنے والے قدرتی مراحل اور مختلف حالات کا ذکر کریں گے جو ہر انسان کو پیش آتے ہیں۔

بیماری آزاری انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، ایک مسلمان کے لئے اس حالت میں بھی نماز معاف نہیں ہوتی، البتہ اسلامی شریعت نے اس بارے میں بیمار کو بہت سی سہولتیں دی ہیں، مثلاً اگر وہ مسجد جا کر جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا تو گھر میں اس فریضہ کو ادا کرنے کی اجازت ہے، اگر کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتا تو بیٹھ کر اور اگر بیٹھ کر بھی اسکے لئے پڑھنا دشوار ہے تو لیٹ کر اور اگر لیٹ کر کے بھی اسکے ارکان ادا نہیں کر سکتا تو اشارہ سے پڑھ سکتا ہے، اگر پانی کا استعمال اسکے لئے مضر ہے تو وضو کے بجائے تیمم کی اجازت ہے (۱) امکانی حد تک طہارت کا اہتمام بھی ضروری ہے۔

بیمار کی عیادت کرنا اسلام میں بڑے ثواب کا کام ہے، لیکن یہ ہدایت ہے کہ بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے، اور مزاج پرسی کر کے جلد چلا آئے کہ اکثر دیر تک بیٹھنے اور لمبی گفتگو کرنے سے بیمار کو یا اسکے تیمارداروں کو زحمت پیش آتی ہے، وہ حالات مستثنیٰ ہیں، جن میں بیمار خود دیر تک بیٹھنا پسند کرتا ہو اور اس کا دل بہلانے کی ضرورت ہو۔

## موت کا ناگزیر مرحلہ اور اسلام کے مخصوص طریقے

انسان کی زندگی میں بالآخر وہ مرحلہ بھی پیش آتا ہے جس سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں، اور جس میں کسی مذہب و ملت اور قوم و نسل کی تفریق نہیں یعنی موت کا ناگزیر مرحلہ، ایسے موقع پر مسلمانوں کے گھروں میں کیا ہونا چاہئے اور اسکے کیا مخصوص طریقے اور معمولات ہیں، انکا ایک مختصر نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔

## خاتمہ کی فکر اور اس کی تیاری

مسلمان کو (خواہ وہ عملی و روحانی حیثیت سے کچھ زیادہ بلند و ممتاز نہ ہو۔) خاتمہ کی

---

(۱) وضو اور تیمم کی تشریح عبادات کے باب میں آچکی ہے۔

بڑی فکر رہتی ہے، یعنی یہ کہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہو اور اسکا خاتمہ کلمہ شہادت، توحید اور رسالت کے عقیدہ پر ہو، مسلمان معاشرہ میں، خاص طور پر جہاں کچھ بھی دینی تعلیم کا اثر اور فکر آخرت پائی جاتی ہے، یہ روایت چلی آرہی ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان سے دعا کی درخواست کرتا ہے یا اس کو کسی نیک بندے کی زیارت کی سعادت حاصل ہوتی ہے تو اس سے اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ دعا کیجئے کہ خاتمہ بخیر ہو، یا اور اسی کو ایک عامی سے عامی مسلمان سب سے بڑی خوش قسمتی اور کامیابی سمجھتا ہے۔ اور اسکو سب سے زیادہ اسی پر رشک آتا ہے کہ کوئی مسلمان کلمہ پڑھتا ہوا اور خدا کا نام لیتا ہوا دنیا سے رخصت ہو۔

جب مسلمان کا دم واپسیں ہوتا ہے اور نزع کی کیفیت شروع ہو جاتی ہے، تو اس وقت اس کے عزیز واقارب، دوست، احباب اور جو لوگ پاس ہوتے ہیں اس کو کلمہ کی تلقین کرتے ہیں، یعنی وہ ایسے وقت میں کلمہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھے یا صرف اللہ کا نام لیتا رہے، اگر اس کی زبان ساتھ نہیں دیتی، ضعف غالب ہوتا ہے یا قوت گویائی جواب دے جاتی ہے تو اس سے پڑھوانے کے بجائے جو لوگ وہاں موجود رہتے ہیں وہ خود کلمہ پڑھنے لگتے ہیں یا اللہ کے نام کا ورد شروع کر دیتے ہیں۔ اگر یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ اس کی زبان خشک ہے تو زمزم اگر گھر میں موجود ہے یا شربت انار کیوڑہ وغیرہ (مریض کی حالت اور موسم کے مطابق) اس کی حلق میں ٹپکایا جاتا ہے۔ پاس والے سورۂ یٰسین جس کی اس موقع پر پڑھنے کی فضیلت آئی ہے، پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور جب بالکل نزع کا وقت ہوتا ہے یا روح پرواز کر چکی ہوتی ہے تو اس کو قبلہ رُخ کر دیتے ہیں۔

## تجہیز و تکفین میں سنت کا خیال

انتقال کے بعد اس کو غسل دینے کی تیاری اور کفن کا انتظام شروع ہو جاتا ہے۔ کفن میں نئے پاک اور سفید کپڑے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ مرد کے کفن میں ایک بے سلا کرتہ، ایک تہبند اور ایک اوپر کی چادر ہوتی ہے، اور عورتوں کے کفن میں سر بندیا کساوا اور سینہ بند

کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ غسل کا بھی خاص طریقہ ہے جس کی تفصیل مسئلہ مسائل کی کتابوں میں (فقہ میں) بیان کی گئی ہے، غسل ہر مسلمان دے سکتا ہے۔ نیک لوگوں اور جو مسئلہ مسائل اور سنتوں سے واقف ہیں ان کا غسل دینا زیادہ اچھا سمجھا جاتا ہے۔ ایسے موقع پر دوست احباب، اعزہ واقارب اپنے عزیز یا دوست کی آخری خدمت انجام دینا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

## نمازِ جنازہ

جب جنازہ تیار ہو جاتا ہے تو نماز جنازہ شروع ہوتی ہے، جس میں شرکت کرنا بڑا کارِ ثواب ہے۔ یہ نماز بھی جماعت کے ساتھ ہے، لیکن اس میں رکوع اور سجدہ نہیں، سب لوگ صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں ایک یا تین یا پانچ یا سات یا کسی طاق عدد میں صفیں بن جاتی ہیں اور کوئی عالم یا نیک آدمی محلہ کی مسجد کا امام تھوڑا سا آگے بڑھ کر جنازہ کو سامنے رکھ کر اس کے سینہ کے بالمقابل کھڑا ہو جاتا ہے اور نماز شروع ہو جاتی ہے۔ اس نماز میں چار تکبیریں ہیں، سب کچھ خاموشی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، پہلی تکبیر کے بعد وہ دعا پڑھی جاتی ہے۔ جو ہر نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اور جس کی تشریح پنجگانہ نمازوں کے سلسلہ میں گزر چکی۔ دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھا جاتا ہے، تیسری تکبیر کے بعد سب مسلمان (بغیر آواز کے) ایک دعا پڑھتے ہیں جس کے الفاظ مع ترجمہ یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

| | |
|---|---|
| اللهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا وصغيرنا وكبيرنا وذكرنا وانثانا. اللهم من احييته منا فاحيه على الاسلام ومن توفيته منا فتوفه على الايمان | اے اللہ ہمارے زندہ اور مردہ، حاضر و غائب چھوٹے بڑے اور مرد و عورت کی بخشش فرما، اے اللہ ہم میں سے جس کو زندہ رکھے اسکو اسلام پر زندہ رکھ اور جسکو تو دنیا سے اٹھائے اسکو ایمان پر اٹھا۔ |

جنازہ اگر کسی نابالغ بچہ یا بچی کا ہے تو ایک دوسری دعا پڑھی جاتی ہے۔ جس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

"اے اللہ! اس بچہ کو ہمارا پیش رو، ہمارے لئے اجر اور ذخیرہ اور ہمارے لئے (قیامت میں) سفارش کرنے والا بنا اور اس کی سفارش قبول فرما۔"

## جنازہ کو کاندھا دینا اور قبر تک ساتھ چلنا

چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھر جاتا ہے اور لوگ جنازہ کو کاندھا دیتے ہوئے قبرستان لے جاتے ہیں، شریعت میں کاندھا دینے اور میت کو اس کے آخری مقام (قبر) تک پہونچانے اور اس کی تدفین تک وہاں رہنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اور اس کا بڑا ثواب بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے عام طور پر لوگ کاندھا دینے کی کوشش کرتے ہیں اور قبرستان کا فاصلہ کتنا ہی زیادہ ہو اور موسم کتنا ہی سخت ہو جنازہ ہاتھوں ہاتھ مسلمانوں کے کاندھوں پر جلد قبرستان پہنچ جاتا ہے۔ اب موجودہ شہری زندگی اور تمدن میں بعض بڑے بڑے شہروں میں جہاں عموماً قبرستان بہت دور ہوتے ہیں، موٹر پر جنازہ لے جانے کا بھی رواج ہو چلا ہے۔ مجبوری اور قبرستان کی غیر معمولی دوری کو مستثنیٰ کر کے مسنون طریقہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔

## قبر میں رکھنے کا طریقہ اور مٹی دینے کا معمول

قبر عموماً پہلے سے تیار ہوتی ہے، جنازہ پہنچنے پر چند آدمی قبر کے اندر اترتے ہیں اور میت کو قبلہ رو قبر میں رکھ دیتے ہیں پھر اس پر بنگلے یا تختے رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دیتے ہیں۔ جس کو میت کو مٹی دینا کہتے ہیں، مٹی دیتے وقت قرآن کے یہ الفاظ زبان پر ہوتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارةً اخرى. (طٰہٰ۔۵۵) | ہم نے تم کو اسی زمین سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تم کو واپس کریں گے اور پھر اسی سے تم کو دوبارہ باہر نکالیں گے۔ |

جب قبر تیار ہو جاتی ہے اور مٹی کا ایک کوہان سا بن جاتا ہے، اس وقت خاص تعلق والے کچھ دیر ٹھہر کر میت کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، کچھ قرآن پڑھتے ہیں اور یہ فعل سنت ہے۔

## غمی والے گھر کے افراد کیلئے عزیزوں کی طرف سے کھانا اور شریک غم ہونے کا طریقہ

جب کسی گھر میں غمی ہوتی ہے اور کسی عزیز کا انتقال ہوتا ہے تو عام طور پر اس دن عزیزوں اور دوستوں کے گھروں سے غمی والے گھر کے افراد اور عزیزوں کے لئے جو اس وقت وہاں جمع ہوتے ہیں، کھانا آتا ہے یہ رواج اس خیال پر مبنی ہے کہ میت والے گھر کے لوگوں کو خود کھانے پکانے اور اس کا اہتمام کرنے کا موقع نہیں ہے۔ اس لئے ان کو فکر سے آزاد اور کام سے فارغ رکھنا مناسب ہے۔ در حقیقت ایک سنت ہے جو ابھی تک اسلامی معاشرہ میں چلی آرہی ہے۔ میت کی حیثیت اور اس کے تعلقات کے مطابق تین وقت یا تین دن عزیزوں اور دوستوں کے یہاں سے پکا پکایا کھانا آتا ہے، اور سب بیٹھ کر کھاتے ہیں۔

# اسلامی تہذیب و ثقافت

انبیاءؑ نے صرف عقیدہ و شریعت اور ایک نئے دین "اسلام" ہی کی دعوت نہیں دی بلکہ وہ تہذیب و تمدن اور نئے طرزِ حیات کے بھی بانی ہوتے ہیں۔ جو "ربانی تہذیب" کہلانے کی مستحق ہوتی ہے۔ اس تہذیب کے کچھ مخصوص اصول وارکان اور شعائر و علامات ہیں جن کے ذریعہ وہ تہذیبوں اور جاہلی تمدنوں سے نمایاں طور سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ یہ امتیاز روح اور اصل و اساس میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔ اور تفصیلات و مظاہر میں بھی۔(۱)

مسلمانوں کی تہذیب کا پہلا عنصر (FACTOT) دینی عقائد اسلامی اصولِ زندگی و اخلاقیات ہے، یہ عنصر دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانوں کی تہذیبوں کا مشترک حصہ ہے۔ مسلمان دنیا کے کسی ملک، کسی گوشے میں بستے ہوں اور ان کی زبان اور ان کا لباس خواہ کچھ ہو، یہ قدرِ مشترک ان میں ضرور پایا جاتا ہے اور اس کی بنا پر وہ ایک خاندان کے افراد اور ہر جگہ ایک ہی تہذیب کے حامل نظر آتے ہیں۔ اسی مشترک عنصر کے لحاظ سے دنیا کے سارے مسلمان ایک مخصوص تہذیب رکھتے ہیں جس کے لئے "ابراہیمی تہذیب" سے زیادہ موزوں اور جامع لفظ نہیں۔(۲)

## ابراہیمی محمدی تہذیب

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اس خدا پرست تہذیب کے بانی و امام تھے، جس کی

(۱) منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین۔ ص ۱۲۱۔ ۱۲۲

(۲) ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ۔ ص ۹۶۔

## مسلمانوں کی زندگی میں اللہ کی یاد

اللہ کی ہستی کا یقین اور استحضار (اس کو دائمی طور پر پیشِ نظر رکھنا اور اس کا اظہار) ایک ایسا عمومی امتیاز ہے جو مسلمانوں کی پوری تہذیب اور پوری زندگی کا رفیق اور جزءِ لاینفک ہے، مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت کو مختلف قطع اور تراش کے لباس فرض کرنا چاہئے جن میں مختلف ذوق مقامی حالات، موسمی تغیرات اور خارجی اثرات اثر انداز ہیں، مگر ان سب لباسوں کو گویا ایک رنگ میں غوطہ دے دیا گیا ہے۔ اور اب ان کا کوئی تار و پود ایسا نہیں جو اس رنگ سے رنگین نہ ہو گیا ہو۔ اللہ کا نام اور اس کا ذکر ان کی تہذیب اور معاشرت کے رگ و پے میں خون کی طرح جاری و ساری ہے۔ مسلمان بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے اور اس طرح سب سے پہلے اور خود اس کے نام سے پہلے اس کو جس نام سے آشنا اور مانوس کیا جاتا ہے وہ اللہ کا نام ہے۔ وہ سات دن کا ہوتا ہے تو مسنون طریقہ پر اس کا عقیقہ کیا جاتا ہے۔ اس کا کوئی اسلامی نام تجویز کیا جاتا ہے۔ ان ناموں کو ترجیح دی گئی ہے جن میں اپنی بندگی اور خدا کی وحدانیت کا اعلان ہو۔ یا دنیا کے سب سے بڑے موحد گروہ (انبیاء اور ان کے متبعین) کے نام پر رکھا گیا ہو، تعلیم کی منزل آتی ہے اور مکتب کی رسم ادا کی جاتی ہے تو اللہ کے نام اور قرآن کی آیات سے اس کا افتتاح ہوتا ہے۔ نِکاح کی منزل آتی ہے تو دو ذمہ دار انسانی ہستیوں کو دائمی طور پر ایک دوسرے سے وابستہ کرنے کے لئے پھر خدا کا نام بیچ میں لایا جاتا ہے اور اس کے نام کی لاج رکھنے کا عہد کرایا جاتا ہے۔ ﴿واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام﴾ (۱) (ڈرو اللہ سے جس کے واسطے سے آپس میں سوال کرتے ہو اور لحاظ رکھو رشتوں کا) مسنون طریقہ پر نِکاح کا جو خطبہ پڑھا جاتا ہے اس میں خدا کے اس احسان کا تذکرہ ہوتا ہے کہ اس نے نسل آدم میں مرد و عورت کے جوڑے پیدا کئے، اللہ کی فرمانبرداری کے ساتھ جینے اور مرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

---

(۱) سورۃ النساء۔ ۱

بنیادیں خدا کی توحید، اس پر ایمان اور اس کے ذکر، فطرت مستقیم اور قلب سلیم، اللہ تعالیٰ کے لحاظ و تقویٰ، نوع انسانی پر رحم اور ذوق سلیم پر رکھی گئی ہیں۔

ابراہیمی اخلاق وطرزِ حیات اس تہذیب کی رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے ہیں۔ جس کے بارے میں کہا گیا ہے:-

| | |
|---|---|
| ان ابراهیم لحلیم اواه منیب (سورۂ ہود۔ ۷۵) | ابراہیمؑ بڑا شریف و حلیم، نرم دل اور خدا سے رجوع کرنے والا تھا۔ |
| ان ابراهیم لاواه حلیم (سورۂ توبہ۔ ۱۱۴) | ابراہیمؑ یقیناً بڑا نرم دل، اور بڑا شریف وبردبار تھا۔ |

حضرت ابراہیمؑ ایک طرف اس تہذیب کے بانی ومؤسس تھے، اور دوسری طرف جناب رسول اللہ ﷺ جو ان کے نسلی وارث بھی تھے، اس تہذیب کے مجدد اور مکمل تھے، جنھوں نے اس تہذیب میں ازسر نو جان ڈال دی اور اس میں بقائے دوام کا رنگ پیدا کر دیا، اور اس کے اصول وارکان اس طرح مضبوط کیے کہ اسے ایک دائمی اور عالمگیر تہذیب کی شکل دے گئے۔

## ابراہیمی تہذیب کی تین خصوصیتیں

یہ تین بنیادی خصوصیتیں ہیں، اللہ کی ہستی کا یقین اور استحضار، عقیدۂ توحید (جیسا کہ ابراہیمی سلسلہ کے انبیاء نے تعلیم کیا اور اس کی مکمل تشریح قرآن میں پائی جاتی ہے) شرافت اور مساواتِ انسانی کا اضطراری ودائمی تصور جو کسی مسلمان کے ذہن سے جدا نہیں ہوتا۔ یہ وہ امتیازی خصوصیتیں ہیں جنھوں نے ابراہیمی تہذیب کو دنیا کی دوسری تہذیبوں کے مقابلہ میں ایک نئی صورت بخشی ہے، یہ خصوصیتیں اتنے روشن اور نمایاں طریقہ پر ہمارے علم میں کسی تہذیب میں نہیں پائی جاتیں۔

عید کا مبارک اور پر مسرّت موقع آتا ہے تو نہا دھو کر صاف کپڑے پہن کر اللہ کے نام کی بڑائی کا ترانہ بلند کرنے (تکبیرات تشریق) ادا کرنے اور دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ عید الاضحیٰ میں اللہ کے نام پر قربانی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

جب زندگی کی آخری اور ناگزیر منزل آتی ہے تو اسی کے پاک نام کی تلقین کی جاتی ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت کی سب سے بڑی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ آخری لفظ اور آخری بول جو اس کی زبان پر آئے وہ یہی پاک نام ہو اور اسی نام کی رٹ کے ساتھ وہ اس دنیا سے رخصت ہو، اس کے انتقال کی خبر سنتے ہی پڑھے لکھے ہر مسلمان کی زبان سے بے ساختہ جو لفظ نکلتے ہیں وہ قرآن کے وہ مشہور الفاظ ہیں جو اُردو کے روز مرہ میں بھی شامل ہوگئے ہیں یعنی ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ (۱) (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کے پاس جانا ہے) جب آخری خدمت اور وداع (نماز جنازہ) کا وقت آتا ہے تو اس میں اوّل سے آخر تک اللہ ہی کا نام ہوتا ہے۔ اس کی مغفرت کی دعا اور اپنے لئے اللہ کی فرمانبرداری پر جینے اور ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونے کی دعا کی جاتی ہے۔ اس کو قبر میں اتارا اور اپنی آخری خواب گاہ پر پہونچایا جاتا ہے تو یہ کہہ کر کہ اللہ کے نام کے ساتھ اور اس کے پیغمبر کی ملت و مذہب پر لحد میں رکھنے میں اس کا رُخ عبادت اور توحید کے اس بین الاقوامی مرکز کی طرف کیا جاتا ہے جس کو بیت اللہ (کعبہ) کہتے ہیں اور خواہ مسلمان کہیں دفن ہو اس کا رُخ اسی طرف ہوگا۔ اس کے دفن ہو جانے کے بعد جب کوئی مسلمان اس کی قبر کے پاس گزرتا ہے تو اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے اور فاتحہ پڑھتا ہے۔ غرض اس طرح اللہ کا نام اور اس کا دھیان زندگی کے پورے سفر میں ہر دم اور ہر قدم پر رفیق رہتا ہے۔

یہ تو زندگی کی امتیازی منزلیں ہیں، روز مرہ کی زندگی میں بھی اللہ کے ذکر کا ہر وقت ساتھ ہے، مسلمان اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرتا ہے۔ اللہ کے نام اور شکر پر کھانا ختم کرتا ہے۔ جن لوگوں کو سنتوں کا اہتمام ہے ان کا کھانا پینا، کپڑے بدلنا، بیت الخلا جانا آنا

---

(۱) سورۃ بقرہ۔ ۱۵۶

سب اللہ کے نام اور اس کے دھیان کے ساتھ ہوتا ہے، چھینک آئے تو اس پر بھی اللہ کا نام لینے کی ہدایت، اور جو سُنے اس کو بھی دعا دینے کی تعلیم ہے۔ پھر اس پر بھی اوقات اللہ کے ذکر سے خالی نہیں۔ ماشاء اللہ، انشاء اللہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ نہ صرف اذکار ماثورہ بلکہ زبان کا جز اور ان ملکوں کے روز مرہ کے محاورات بن چکے ہیں جہاں مسلمان عرصۂ دراز سے رہ بس رہے ہیں اور ان کی تہذیب اثر انداز ہوئی ہے اور یہ سب اللہ کے ذکر اور اس کیطرف متوجہ کرنے کے بہانے ہیں۔ کسی تہذیب کی معاشرت اس کی زبان اور اس کا ادب اور اس کی روز مرہ کی زندگی اس طرح اللہ کی ہستی کے یقین اور اس کے استحضار کے رنگ میں ڈوبی ہوئی نظر نہیں آئے گی۔ مسلمانوں کی تہذیب کا پہلا بین الاقوامی اور مشترک پہلو یہی یقین واستحضار ہے جو ان کی زندگی کا شعار اور علامت بن گیا ہے۔

## دوسرا بین الاقوامی شعار عقیدۂ توحید

ان کی تہذیب کا دوسرا بین الاقوامی شعار اور علامت، عقیدۂ توحید ہے جو عقائد سے لے کر اعمال تک اور عبادات سے لے کر تقریبات تک ہر جگہ نمایاں نظر آئے گا۔ ان کی مسجدوں کے مینارے پانچ مرتبہ اس عقیدہ کا اعلان کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کا مستحق نہیں۔ ان کے مکانات اور نگار خانوں کو بھی اسلامی اصول کے مطابق بُت پرستی اور شرک کے شعار سے محفوظ ہونا چاہئے۔ تصاویر، اسٹیچو، مورتیاں ان کے لئے ناجائز ہیں۔ یہاں تک کہ بچوں کے کھلونوں میں بھی اس کا لحاظ ضروری ہے۔ دینی تقریبات ہوں یا ملکی جشن مسرت، سیاسی رہنماؤں کا یوم ولادت ہو یا مذہبی پیشواؤں کا جنم دن یا پرچم کشائی کی تقریب، تصاویر اور مجسموں کے سامنے جھکنا، ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہونا، یا ان کو ہار پھول پہنانا مسلمان کے لئے ممنوع اور اس کی موحدانہ تہذیب کے خلاف ہے اور جہاں کہیں مسلمان اپنی اسلامی تہذیب پر قائم اور اس پر کاربند ہوں گے وہ اس فعل سے محترز اور علیحدہ ہوں گے، ناموں میں، تقریبات میں، قسم میں بزرگوں کی تعظیم واحترام اور اظہار نیاز مندی

میں حجازی توحید کے حدود سے تجاوز اور کسی قوم کی تقلید اسلام سے انحراف کے مرادف ہے۔

## تیسرا شعار شرافت و مساواتِ انسانی کا عقیدہ

اسلامی تہذیب کا تیسرا بین الاقوامی شعار انسان کی شرافت و برتری کا وہ تصور اور انسانی مساوات کا وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ اور جو اس کا اسلامی مزاج بن گیا ہے اس عقیدہ کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان چھوت چھات کی عادت اور روایت سے نا آشنا اور بیگانہ ہے وہ بے تکلف دوسرے مسلمان بلکہ دوسرے انسان کے ساتھ کھانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ اور دوسرے کو اپنا شریک طعام بننے کے لئے اصرار کرے گا، مختلف و متعدد آدمی بلا تکلف ایک برتن میں کھائیں گے، ایک دوسرے کا پس خوردہ کھالیں گے اور ایک دوسرے کا بچا ہوا پانی پی لیں گے۔ "محمود و ایاز" ایک صف میں شانہ بشانہ کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے، کوئی کم حیثیت لیکن صاحبِ علم امام بن سکتا ہے اور بڑے بڑے عالی نسب شرفا اور عالی مرتبت حکام اس کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے مجبور ہیں۔

## جزئی و فروعی امتیازات

ان اصولی و بنیادی امتیازات کے ساتھ اس ابراہیمی تہذیب کے کچھ جزئی اور فروعی امتیازات بھی ہیں جو دنیا کے تمام مسلمانوں میں مابہ الاشتراک ہیں۔ مثلاً اچھے کاموں کا دائیں ہاتھ سے انجام دینا، دائیں ہاتھ سے کھانا، دائیں ہاتھ سے پانی پینا، کسی کو کچھ لینا دینا۔

## اسلامی معاشرہ میں پیشے نہ مستقل ہیں نہ حقیر!

اسلام میں پیشے اور خدمتیں مستقل اور دائمی حیثیت نہیں رکھتیں کہ ان میں تبدیلی نہ ہو سکے۔ نہ ان کی بنیاد پر قوموں اور طبقوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ لوگوں نے مختلف زبانوں میں ضرورت اور سہولت کی بنا پر کوئی پیشہ اختیار کر لیا، بعض اوقات وہ اسی تک محدود رہا

اور بعض اوقات کئی نسلوں تک چلا، اب بھی بعض بعض برادریوں میں ایک ہی طرح کا کام ہوتا ہے۔ لیکن نہ تو اس کی کوئی مذہبی حیثیت ہے اور نہ وہ مسلم معاشرہ یا سماج کا اٹل قانون ہے۔

ان برادریوں میں جو شخص جب چاہتا ہے پیشہ یا مشغلہ تبدیل کر لیتا ہے۔ اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا اور نہ اسلام میں کوئی پیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ مرکز اسلام (مکہ، مدینہ) اور عرب ممالک میں بعض بڑے جلیل القدر عالموں اور معزز مسلمانوں کے ساتھ اس پیشہ کا لفظ لگا ہوا ہے جو ان کے کسی مورث اعلیٰ نے کسی زمانہ میں اختیار کیا تھا۔ اور اس میں نہ ان کو کوئی عار محسوس ہوتا ہے اور نہ کسی دوسرے کی نگاہ میں وہ حقیر ہوتے ہیں(۱)

## بیوہ کا عقد ثانی اور ہندوستانی مسلمانوں کا امتیازی معاملہ

بیوہ کا عقد ثانی شرعی نقطہ نظر سے اور مسلمانوں کے عرف اور رواج میں کبھی معیوب اور قابلِ اعتراض نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ ان کے نبی کی سنت تھی، اور ہر دور میں جلیل القدر علماء خدار سیدہ بزرگ اور مشائخ اور باعظمت سلاطین بلا تامل بیوہ عورتوں سے خود شادی کرتے تھے اور اپنی بیوہ بہنوں اور بیٹیوں کا عقد ثانی کراتے تھے۔ اب بھی اگرچہ بہت سی مسلمان بیوائیں اپنی مرضی یا کسی مجبوری سے عقد ثانی کے بغیر رہتی ہیں لیکن عقد ثانی کا رواج ہونا چاہئے۔ دیگر ممالک میں یہ رواج اب بھی پایا جاتا ہے اور بیوہ سے نکاح بالکل معیوب نہیں۔

## سلام کرنے کا رواج اور اس کے مختلف طریقے

ملنے جلنے، آنے جانے میں سلام کا رواج ہے۔ یہ مسلمانوں کا بین الاقوامی اور بین

---

(۱) مثلاً ابھی چند سال پہلے جو صاحب حرم شریف (مکہ کی سب سے بڑی مسجد جس میں خانہ کعبہ واقع ہے) کے خطیب اور امام تھے ان کے نام کا ضروری جز خیاط (درزی) ہے اسی طرح کسی علماء کے ساتھ حلاق (نائی) زیات (تیلی) صواف (روئی والا) قصاب (گوشت فروش) لگا ہوا ہے۔ اور اس میں ذلت کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا۔

السلمٰی سلام ہے، سلام کرنے والا "السلام علیکم" کہتا ہے جس کا ترجمہ ہے "تم پر خدا کی طرف سے سلامتی ہو" اس کا جواب ہے "وعلیکم السلام" یعنی تم پر بھی سلامتی ہو۔

## اسلام میں علم کا مقام

پہلی وحی ۱۲؍فروری ۶۱۱ء کے لگ بھگ نبی عربی محمد ﷺ پر مکہ کے قریب غارِ حرا میں نازل ہوئی، اس کے الفاظ یہ تھے:

﴿اقراء باسم ربّك الذی خلق،خلق الانسان من علق، اقراء وربّك الاکرم، الذی علّم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم﴾ (سورۂ علق۔ ا تا ۵)

(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو، جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کو اس کا علم نہ تھا۔

خالقِ کائنات نے اپنی وحی کی اس پہلی قسط اور بارانِ رحمت کے اس پہلے چھینٹے میں بھی اس حقیقت کے اعلان کو مؤخر وملتوی نہیں فرمایا کہ علم کی قسمت قلم سے وابستہ ہے۔ غارِ حرا کی اس تنہائی میں جہاں ایک نبی امّی اللہ کی طرف سے دنیا کی ہدایت کے لئے پیغام لینے گیا تھا۔ اور جس کا یہ حال تھا کہ اس نے قلم کو حرکت دینا خود بھی نہیں سیکھا تھا۔ جو قلم کے فن سے یکسر واقف نہ تھا۔ کیا دُنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر کہیں مل سکتی ہے؟ اور اس بلندی کا تصور بھی ہو سکتا ہے کہ اس نبی امّی پر ایک امتِ امی اور ایک ناخواندہ ملک کے درمیان (جہاں جامعات اور دانشگاہیں تو بڑی چیز ہیں حرف شناسی بھی عام نہیں تھی) پہلی بار وحی نازل ہوتی ہے اور آسمان وزمین کا رابطہ صدیوں کے بعد قائم ہوتا ہے تو اس کی ابتدا ہوتی ہے۔ "اقراء" سے جو خود پڑھا ہوا نہیں تھا۔ اس پر جو وحی نازل ہوتی ہے اس میں اس کو خطاب کیا جاتا ہے کہ

"پڑھو" یہ اشارہ تھا اس طرف کہ آپ کو جو امت دی جانے والی ہے وہ امت صرف طالب علم ہی نہ ہوگی بلکہ معلم عالم اور علم آموز ہوگی۔ وہ علم کی اس دنیا میں اشاعت کرنے والی ہوگی۔ جو دور آپ کے حصہ میں آیا ہے وہ "اُمیّت" کا دور نہیں ہوگا۔ وہ دور وحشت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور جہالت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم دشمنی کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم کا دور ہوگا، عقل کا دور ہوگا، حکمت کا دور ہوگا، تعمیر کا دور ہوگا، انسان دوستی کا دور ہوگا، وہ دور ترقی کا دور ہوگا۔

﴿باسم ربك الذی خلق﴾ (اس پروردگار کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا)

بڑی غلطی یہ تھی کہ علم کا رشتہ رب سے ٹوٹ گیا تھا، اس لئے علم سیدھے راستے سے ہٹ گیا تھا۔ اس ٹوٹے ہوئے رشتہ کو یہاں جوڑا گیا، جب علم کو یاد کیا گیا اس کو یہ عزت بخشی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ اس کی بھی آگاہی دی گئی کہ اس علم کی ابتداء ﴿اسم ربك﴾ سے ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ علم اسی کا دیا ہوا ہے، اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور اسی کی رہنمائی میں یہ متوازن ترقی کر سکتا ہے، یہ دُنیا کی سب سے بڑی انقلاب آفریں، انقلاب انگیز اور صاعقہ آسا آواز تھی جو ہماری دنیا کے کانوں نے سُنی تھی۔ جس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ اگر دُنیا کے ادیبوں اور دانشوروں کو دعوت دی جاتی کہ آپ لوگ قیاس کیجئے کہ جو وحی نازل ہونے والی ہے اس کی ابتداء کس چیز سے ہوگی؟ اس میں کس چیز کو اوّلیت دی جائے گی؟ تو میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے ایک آدمی بھی جو اس اُمّی قوم اور اس کے مزاج اور دماغ سے واقف تھا یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ "اقراء" کے لفظ سے شروع ہوگی۔

یہ ایک انقلاب انگیز دعوت تھی کہ علم کا سفر خدائے حکیم و علیم کی رہنمائی میں شروع کیا جانا چاہئے، اس لئے کہ یہ سفر بہت طویل، بہت پُر پیچ اور بہت پُر خطر ہے۔ یہاں دن دہاڑے قافلے لٹتے ہیں۔ قدم قدم پر مہیب و عمیق گھاٹیاں ہیں، گہرے دریا ہیں، قدم قدم پر سانپ اور بچھو ہیں، اس لئے اس میں ایک رہبر کامل کی رفاقت ہونی چاہئے اور وہ رہبر کامل حقیقتاً خدا کی ذات ہے۔ مجرد علم و ادب نہیں، وہ علم مقصود نہیں جو بیل بوٹے بنانے کا

نام ہے۔ جو محض کھلونوں سے کھیلنے کا نام ہے۔وہ علم نہیں جو محض دل بہلانے کا نا ہے۔وہ علم نہیں جو ایک دوسرے سے لڑانے کا نام ہے۔وہ علم نہیں جو قوموں کو قوموں سے ٹکرانے کا نام ہے،وہ علم نہیں جو اپنے معدہ کی خندق کو بھرنے کا ذریعہ سکھانے کا نام ہے،وہ علم نہیں جو زبان کو صرف استعمال کرنا سکھاتا ہے بلکہ ﴿اقراء باسم ربك الذى خلق، خلق الانسان من علق، اقراء وربك الاكرم الذى علم بالقلم، علم الانسان مالم يعلم﴾ پڑھو تمھارا رب بڑا کریم ہے،وہ تمھاری ضرورتوں سے تمھاری کمزوریوں سے کیسے ناآشنا ہو سکتا ہے۔﴿اقراء وربك الاكرم الذى علم بالقلم﴾ آپ خیال کیجئے کہ قلم کا رتبہ اس سے زیادہ کس نے بڑھایا ہوگا کہ اس غارِ حرا کی پہلی وحی نے بھی قلم کو فراموش نہیں کیا،وہ قلم جو شاید ڈھونڈنے سے بھی مکہ میں نہ ملتا،اگر آپ اسے تلاش کرنے کے لئے نکلتے تو معلوم نہیں کسی ورقہ بن نوفل(۱) کے یا کسی "کاتب(۲)" کے جو دیارِ عجم سے کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ کر آیا ہو گھر میں ملتا۔

اور پھر ایک بہت بڑی انقلاب انگیز اور لافانی حقیقت بیان کی کہ علم کی کوئی انتہا نہیں ﴿علم الانسان مالم يعلم﴾ انسان کو سکھایا جس کا اس کو پہلے سے علم نہ تھا،سائنس کیا ہے؟ ٹکنالوجی کیا ہے؟انسان چاند پر جارہا ہے، خلا کو ہم نے طے کر لیا ہے،دُنیا کی طنابیں کھینچ لی ہیں،یہ سب ﴿علم الانسان مالم يعلم﴾ کا کرشمہ نہیں تو کیا ہے؟

## فنون لطیفہ کے بارے میں مسلمان کا رویّہ

اس تہذیب کی ایک خصوصیت اس کی سنجیدگی، حقیقت پسندی اور "فنون لطیفہ" کے بارے میں محتاط رویہ اور معتدل نقطہ نظر ہے۔وہ نفاست ونظافت حسن وزیبائی کی قدرداں ہے۔ لیکن جن تفریحی فنون کو یورپ نے فنون لطیفہ یا(Fine Arts) کا لقب دیا

---

(۱) عہد بعثت کے ایک عرب فاضل جو توراۃ انجیل کے بڑے عالم تھے اور عبرانی زبان سے خوب واقف تھے۔

(۲) عرب میں پڑھے لکھے آدمی کو "کاتب" کہتے تھے۔

ہے، ان کی بعض شاخوں کو وہ ناجائز قرار دیتی ہے۔ مثلاً رقاصی و مصوری (جاندار چیزوں کی) اور بت تراشی اور بعض میں اعتدال واحتیاط کی تعلیم دیتی ہے۔ مثلاً ترنم و نغمہ کہ خاص قیود کے ساتھ اعتدال سے اس سے حظ اٹھانا یا کام لینا جائز ہے۔ ان فنون لطیفہ میں انہماک بہر حال اس کی روح اور اس کے مقاصد کے خلاف اور خوفِ خدا، فکر آخرت اور اس کے اخلاقی معیار کے لئے مُضر ہے جو ایک مسلمان سے متوقع ہے۔

## مذہب زندگی کا نگراں ہے

زمانہ ثبات اور تغیر کے متوازن، مرکب اور مجموعے کا نام ہے۔ زمانے کے اندر ٹھہراؤ بھی ہے۔ اور بہاؤ بھی۔ اگر زمانہ ان دونوں خصوصیتوں اور صلاحیتوں میں سے کسی ایک سے محروم ہو جائے تو وہ اپنی افادیت کھو دے گا۔

اسی طرح کائنات میں جتنے بھی وجود، شخصیتیں اور ہستیاں ہیں سب کے اندر مثبت اور منفی لہریں برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں ان دونوں لہروں کے ملنے سے وہ فریضہ ادا ہوتا ہے اور وہ منصب پورا ہوتا ہے جو ان کے سپرد کیا گیا ہے۔

مذہب ہر تغیر کا ساتھ دے یہ کسی تھرمامیٹر کی تعریف تو ہو سکتی ہے کہ وہ:

"درجۂ حرارت وبرودت بتلائے یہ مرغ باد نما (WERTHER COCK) کی بھی تعریف ہو سکتی ہے جو کسی ہوائی اڈے یا اونچی عمارت پر لگایا گیا ہے صرف یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ہوا کس طرف کی چل رہی ہے لیکن مذہب کی تعریف نہیں ہو سکتی، میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا کہ مذہب کو اس کے بلند مقام سے اتار کر تھرمامیٹر یا مرغ باد نما کا مقام دینا چاہتا ہو کہ مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ صرف زمانے کی تبدیلیوں کی رسید دیتا رہے۔ اکناج (ACKNOWLEDGE) کرتا رہے یا اس کی عکاسی کرتا رہے، صحیح آسمانی مذہب کے تو کیا کسی نام نہاد مذہب کے پیرو یا اس کے نمائندے بھی اس پوزیشن کو قبول کر لینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔

مذہب تغیر کو ایک حقیقت مانتا ہے اور اس کے لئے وہ ساری گنجائشیں رکھتا ہے جو ایک صالح، فطری اور جائز تغیر کے لئے ضروری ہوں، مذہب زندگی کا ساتھ دیتا ہے لیکن یہ محض ساتھ دینا یا محض رفاقت اور پیروی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ تہذیب کا فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اس کا فرق کرے کہ یہ صالح تغیر ہے اور یہ غیر صالح تغیر ہے۔ یہ تخریبی رجحان ہے اور یہ تعمیری رجحان ہے۔ اس کا نتیجہ انسانیت کے حق میں یا کم سے کم اس مذہب کے پیروؤں کے حق میں کیا ہوگا؟ مذہب جہاں رواں دواں زندگی کا ساتھ دینے والا ہے، وہاں وہ زندگی کا محتسب، نگراں، گارجین (GAURDIAN) اور زندگی کا اتالیق بھی ہے۔

گارجین کا کام یہ نہیں ہے کہ جو ہستی اس کی اتالیقی میں ہے اس کے ہر صحیح غلط رجحان کا ساتھ دے اور اس پر مہر تصدیق ثبت کرے۔ مذہب ایسا سسٹم نہیں ہے کہ جہاں ایک ہی قسم کی مہر رکھی ہوئی ہے ایک ہی طرح کی روشنائی ہے اور ایک ہی طرح کا ہاتھ ہے جو دستاویز اور تحریر آئے مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ اس پر مہر تصدیق ثبت کر دے۔

مذہب پہلے اس کا جائزہ لے گا، پھر اس پر اپنا فیصلہ صادر کرے گا۔ اور ترغیب کے اور بعض اوقات مجبوراً ترہیب کے ذریعہ اس سے اسے باز رکھنے کی کوشش کرے گا اور اگر کوئی ایسی غلط دستاویز اس کے سامنے آئی ہے جس سے اس کو اتفاق نہیں یا جس کو وہ انسانیت کے حق میں مہلک اور تباہ کن سمجھتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے انکار کرے گا بلکہ اس کی بھی کوشش کرے گا کہ وہ اس کی راہ میں مزاحم ہو۔

یہاں اخلاقیات اور مذہب میں ایک فرق پیدا ہو جاتا ہے، مذہب اپنی ذمہ داری اور فرض سمجھتا ہے کہ غلط رجحان کو روکے، ماہر اخلاقیات و نفسیات کی ڈیوٹی صرف یہ ہے کہ وہ غلط رجحانات کی نشاندہی کرے۔ یا اپنا نقطہ نظر ظاہر کر دے۔ لیکن مذہب اس کی کوشش کرے گا کہ وہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو جائے گا۔ (۱)

---

(۱) تفصیل کے لئے مطالعہ کیجئے "تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات اور احسانات" ملنے کا پتہ:- مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

## چھٹا باب

# تہذیب اخلاق و تزکیۂ نفس

## بعثت محمدی صلی اللہ علیٰ صاحبہا وسلم کے مقاصد

اللہ تعالیٰ نے بعثت محمدی کے ابتدائی اور بنیادی مقاصد اور عظیم و اساسی فوائد قرآن پاک کی متعدد آیات میں ذکر فرمائے ہیں اس کا ارشاد ہے:

﴿کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلو علیکم آیاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلّمکم مالم تکونوا تعلمون﴾ (البقرہ ۱۵۱)

جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تمھیں میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور تمھیں پاک بناتے اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

دعوتِ نبوی اور بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرۂ مقاصد میں تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفس بڑا اہم مقام رکھتے ہیں اور قرآن کا اسلوب بیان یہ بتاتا ہے کہ حکمت سے مراد بلند اخلاق اور اسلامی آداب ہی ہیں قرآن نے سورۂ اسراء میں ان اخلاق و آداب کے اصول اور بنیادی امور ذکر کرنے کے بعد مطلقاً ان کو "حکمت" سے یاد کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ذلك مما اوحیٰ اليك ربك من الحكمة﴾ (الاسراء۔۳۹)

(اے پیغمبر) یہ ان (ہدایتوں) میں سے ہیں جو خدا نے دانائی کی باتیں تمھاری طرف وحی کی ہیں۔

خود حضور اکرم ﷺ نے اس عظیم مقصد کا جس کے لئے آپ کی بعثت ہوئی تاکید وحصر کے الفاظ کے ساتھ تذکرہ فرمایا:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق(۱)

میری بعثت ہی اس لئے ہوئی کہ میں مکارمِ اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہونچاؤں۔

اور آپؐ اخلاق کریمہ کا بہترین نمونہ اور کامل ترین اسوہ تھے۔

ارشادِ قرآنی ہے:

﴿ وانك لعلىٰ خلق عظيم﴾ (القلم۔۴)

اور اخلاق تمھارے بہت (عالی) ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا:

کان خلقه القرآن (۲)

آپؐ کے اخلاق معلوم کرنا ہو تو قرآن دیکھو۔

یہ حکمت اور تزکیۂ نفس، رسول اللہ ﷺ کی صحبت بابرکت اور ہم نشینی کا نتیجہ تھی۔ آپ ہی کے آغوش تربیت، اور دامن عاطفت میں ایک ایسی نسل پروان چڑھی جو اعلیٰ اخلاق اور بہترین صفات سے مزین، اخلاق رذیلہ، برے عادات واطوار مذموم صفات، نفس کے شر ورو فتن، جاہلیت کے اثرات اور شیطان کے مغالطوں سے محفوظ تھی۔

---

(۱) موطا امام مالکؒ، (۲) مسلم شریف

زبان نبوت نے بھی اس کی شہادت دی ہے۔ آپ نے فرمایا:

خیر الناس قرنی (۱) سب سے اچھے لوگ میرے دور کے لوگ ہیں۔

صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بڑی بلاغت کے ساتھ جماعت صحابہ کا تعارف کرایا ہے۔ مختصر لیکن ہمہ گیر اور معنی خیز الفاظ میں ان کا اس طرح اعتراف کیا ہے:

ابر الناس قلوبا، واعمقهم علما، واقلهم تكلفا. دل کے پاک، علم کے گہرے، تکلفات سے بری۔

وہ اسلام کی فصل بہار، نبوت کی آدم گری و مردم سازی کا نمونہ، اور تربیت و تزکیہ نبوی کا اعجاز تھے۔

## انسان سازی کی ایک دائمی کارگاہ

جب اس صحبت نبوی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، تو قرآن پاک، حدیث شریف اور سیرت طیبہ اس خلا کو پر کرتے رہے، فقہ باطن، حکمت، قلوب کے امراض، نفس کے شرور اور شیطان کے مکائد کے علاج کا ایک دائمی اور عالم گیر مطب اور دار الشفا تھا۔

لیکن مختلف سیاسی، اخلاقی و معاشی عوامل کے اثر اور مرور زمانہ سے حدیث کے تربیتی اور اخلاقی پہلو اور اسکے بنیادی طرز فہم و تفہیم، شرح و تدریس پر وہ طرز غالب آتا چلا گیا، جو اس وقت کے معاشرہ کے لئے زیادہ پر کشش، لوگوں کی نظر میں زیادہ وقعت پیدا کرنے والا، اور مناصب اور عہدوں پر فائز ہونے میں مدد دینے والا تھا، حدیث کی تدریس و تفہیم اثبات مذاہب اور انکے لئے دلائل فراہم کرنے، اور سیرت تاریخی اور علمی ؟ں میں محدود ہو کر رہ گئی۔

---

(۱) مسلم شریف۔ بخاری شریف۔

لیکن اسکے باوجود حدیث و سیرت (قرآن مجید کے بعد) تہذیب اخلاق، تزکیۂ نفس، دلوں کے زنگ کی صفائی، اور انسانی نفوس کے آئینہ کو صیقل کرنے کا سب سے مؤثر اور سہل العمل ذریعہ ہے۔

حدیث کی کتابوں میں جو مواد پایا جاتا ہے، وہ دو قسم کا ہے، ایک کا تعلق اعمال، ان کی شکلوں، ہیئتوں، اور محسوس احکام جیسے قیام و قعود، رکوع و سجود، تلاوت و تسبیح، دعاؤں، اذکار و اوراد، دعوت و تبلیغ، جہاد و غزوات، صلح و جنگ میں دوست و دشمن کے ساتھ معاملہ، اور دوسرے احکام و مسائل سے ہے، اور دوسری قسم ان باطنی کیفیات سے متعلق ہے، جو ان اعمال کی ادائیگی کے ساتھ پائی جاتی تھیں، اور ان احکام کی اصل غرض و غایت ہیں، ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص واحتساب، صبر و توکل زہد واستغناء، ایثار و سخاوت، ادب و حیاء، خشوع و خضوع، انابت و تضرُّع، دعا کے وقت دل شکستگی، دنیا پر آخرت کو ترجیح، رضائے الٰہی اور دیدار کا شوق، اعتدال فطرت، سلامتی ذوق، مخلوق پر رحمت و شفقت، کمزوروں کے ساتھ ہمدردی، احساس کی لطافت، جذبات کی پاکیزگی، جود و سخا، تحمل و بردباری، تواضع و خاکساری، شجاعت و بہادری، خدا کے لئے محبت و نفرت، احسان و نیکی، اور شرافت وانسانیت کی باریک سے باریک تر اور نازک ترین شکلیں، برا معاملہ کرنے والے سے عفوو درگذر، قطع تعلق کرنے والے کے ساتھ صلح رحمی، اور نہ دینے والے کے ساتھ عطاو بخشش کا معاملہ، اور اس طرح کی بہت سی کیفیات ہیں، جو نمونوں اور مثالوں کے بغیر سمجھ میں نہیں آتیں، اور مشاہدہ، یا خبر متواتر کے بغیر ان کی تصدیق مشکل ہے۔

اس لئے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جامع اوصاف کریمہ، جو ان حضرات کے بیان کئے ہوئے ہیں، جو آپؐ سے سب سے زیادہ قریب، اور آپؐ کی خلوت و جلوت، اجتماعی، انفرادی، اور عائلی زندگی سے بخوبی واقف تھے، اور جن کی نظر نفسیات انسانی، اور اخلاق کی باریکیوں پر بہت گہری تھی، یہاں ذکر کرتے ہیں، پھر مختصراً آپؐ کے

اخلاق وشمائل ذکر کریں گے۔

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ کا جامع اور بلیغ وصف

ذیل میں ہم صرف دو شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں، ایک ہند بن ابی ہالہ کی (جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فرزند اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے ماموں ہیں) شہادت اور دوسری حضرت علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق وشمائل کے بارے میں دی ہے:

ہند بن ابی ہالہ کہتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ ہر وقت آخرت کی فکر میں اور امور آخرت کی سوچ میں رہتے، اس کا ایک تسلسل قائم تھا کہ کسی وقت آپ کو چین نہیں ہوتا تھا۔ اکثر طویل سکوت اختیار فرماتے، بلا ضرورت کلام نہ فرماتے، گفتگو کا آغاز فرماتے تو دہن مبارک سے اچھی طرح الفاظ ادا فرماتے(۱)۔ اور اسی طرح اختتام فرماتے۔ آپ کی گفتگو اور بیان بہت صاف، واضح اور دوٹوک ہوتا، نہ اس میں غیر ضروری طوالت ہوتی نہ زیادہ اختصار، آپؐ نرم مزاج و نرم گفتار تھے۔ درشت خو اور بے مروّت نہ تھے۔ نہ کسی کی اہانت کرتے تھے اور نہ اپنے لئے اہانت پسند کرتے تھے۔(۲) نعمت کی بڑی قدر کرتے اور اس کو بہت زیادہ جانتے خواہ کتنی ہی قلیل ہو۔ (کہ آسانی سے نظر بھی نہ آئے) اور اس کی بُرائی نہ فرماتے، کھانے پینے کی چیزوں کی برائی کرتے نہ تعریف، دنیا اور دنیا سے متعلق جو بھی چیز ہوتی اس پر آپ کو کبھی غصہ نہ آتا لیکن جب خدا کے کسی حق کو پامال کیا جاتا تو اس وقت آپؐ کے جلال کے سامنے کوئی چیز

---

(۱) یعنی متکبروں کی طرح بے توجہی وبے نیازی کے ساتھ ادھ کٹے الفاظ استعمال نہ فرماتے۔

(۲) یہاں "مھین" کا لفظ آیا ہے جو "میم" پر ضمہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے، اگر "مُہین" مراد لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کسی کی اہانت آپؐ نہ فرماتے تھے۔ اور اگر "مَہین" ہو تو اس سے مراد یہ ہو گی کہ آپؐ اپنی ذلت و پستی پسند نہ فرماتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ درشت خو تھے نہ کمزور طبعت کے مالک تھے کہ ہر چیز گوارا فرما لیتے بلکہ ہیبت و رعب اور جلال و وقار کے مختلف پہلوؤں کے جامع تھے۔

ٹھہر نہ سکتی تھی۔ یہاں تک کہ آپؐ اس کا بدلہ لے لیتے۔ آپ کو اپنی ذات کے لئے غصہ نہ آتا۔ نہ اس کیلئے انتقام لیتے، جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے۔ جس کسی امر پر تعجب فرماتے تو اس کو پلٹ دیتے۔ گفتگو کرتے وقت داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے ملاتے، غصہ اور ناگواری کی بات ہوتی تو روئے انور اس طرف سے بالکل پھیر لیتے اور اعراض فرماتے، خوش ہوتے تو نظریں جھکا لیتے۔ آپ کا ہنسنا زیادہ تر تبسم تھا۔ جس سے صرف آپؐ کے دندانِ مبارک جو بارش کے اولوں کی طرح پاک و شفاف تھے ظاہر ہوتے تھے۔

اور حضرت علیؓ کو علم و واقفیت کے بہترین ذرائع و مواقع حاصل تھے اور جو قریب ترین اشخاص میں سے تھے اور اسی کے ساتھ وصف نگاری اور منظر کشی میں بھی ان کو سب سے زیادہ قدرت تھی۔ آپؐ کے اوصاف اس طرح بیان کرتے ہیں:

آپؐ طبعاً بد کلامی اور بے حیائی و بے شرمی سے دور تھے۔ اور تکلفاً بھی ایسی کوئی بات آپؐ سے سرزد نہیں ہوتی تھی۔ بازاروں میں آپؐ کبھی آواز بلند نہ فرماتے، برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے۔ بلکہ عفو و درگذر کا معاملہ فرماتے۔ آپؐ نے کسی پر کبھی دست درازی نہ فرمائی سوائے اس کے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا موقع ہو، کسی خادم یا عورت پر آپؐ نے کبھی ہاتھ نہ اٹھایا۔ میں نے آپ کو کسی ظلم و زیادتی کا انتقام لیتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی خلاف ورزی نہ ہو۔ اور اس کی حرمت و ناموس پر آنچ نہ آئے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو پامال کیا جاتا اور اس کے ناموس پر حرف آتا تو آپؐ اس کیلئے ہر شخص سے زیاہ غصہ ہوتے، دو چیزیں سامنے ہوں تو ہمیشہ آسان چیز کا آپؐ انتخاب فرماتے، جب دولت خانہ پر تشریف لاتے تو عام انسانوں کی طرح نظر آتے، اپنے کپڑوں کو صاف کرتے۔ بکری کا دودھ دوہتے اور اپنی سب ضرورتیں خود انجام دے لیتے۔

اپنی زبان مبارک محفوظ رکھتے، اور صرف اسی چیز کے لئے کھولتے جس سے آپؐ

کو کچھ سروکار ہوتا لوگوں کی دلداری فرماتے اور ان کو متنفر نہ فرماتے، کسی قوم وبرادری کا معزز شخص آتا تو اس کے ساتھ اکرام واعزاز کا معاملہ فرماتے۔ اور اس کو اچھے اور اعلیٰ عہدہ پر مقرر فرماتے۔ لوگوں کے بارے میں محتاط تبصرہ کرتے بغیر اس کے کہ اپنی بشاشت اور اخلاق سے ان کو محروم فرمائیں۔ اپنے اصحاب کے حالات کی برابر خبر رکھتے، لوگوں سے لوگوں کے معاملات کے بارے میں دریافت کرتے رہتے۔

اچھی بات کی اچھائی بیان فرماتے اور اس کو قوت پہونچاتے، بُری بات کی برائی کرتے، اور اس کو کمزور کرتے، آپ کا معاملہ معتدل اور یکساں تھا۔ اسمیں تغیر وتبدل نہیں ہوتا تھا۔ آپؐ کسی بات سے غفلت نہ فرماتے تھے۔ اس ڈر سے کہ کہیں دوسرے لوگ بھی غافل نہ ہونے لگیں، اور اکتا جائیں، ہر حال اور ہر موقع کیلئے آپؐ کے پاس اس حال کے مطابق ضروری سامان تھا۔ نہ حق کے معاملہ میں کوتاہی فرماتے نہ حد سے آگے بڑھتے۔ آپؐ کے قریب جو لوگ رہتے تھے وہ سب سے اچھے اور منتخب ہوتے تھے۔ آپؐ کی نگاہ میں سب سے زیادہ افضل وہ تھا جس کی خیر خواہی اور اخلاق عام ہو، سب سے زیادہ قدر ومنزلت اس کی تھی جو غم خواری وہمدردی اور دوسروں کی مدد ومعاونت میں سب سے آگے ہو۔ خدا کا ذکر کرتے ہوئے کھڑے ہوتے، اور خدا کا ذکر کرتے ہوئے بیٹھتے، جب کہیں تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی اسی جگہ تشریف رکھتے۔ اور اس کا حکم بھی فرماتے اپنے حاضرین مجلس اور ہم نشینوں میں ہر شخص کو (اپنی توجہ اور التفات میں) پورا حصہ دیتے۔ آپؐ کا شریک مجلس یہ سمجھتا کہ اس سے بڑھ کر آپؐ کی نگاہ میں کوئی اور نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کو کسی غرض سے بٹھالیتا یا کسی ضرورت میں آپؐ سے گفتگو کرتا تو نہایت صبر وسکون سے اس کی پوری بات سنتے۔ یہاں تک کہ وہ خود اپنی بات پوری کر کے رخصت ہوتا اگر کوئی شخص آپؐ سے کچھ سوال کرتا اور کچھ مدد چاہتا تو بلا اس کی ضرورت پوری کئے واپس نہ فرماتے۔ یا کم از کم نرم وشیریں لہجہ میں جواب دیتے۔ آپؐ کا حسن اخلاق تمام لوگوں کے لئے

وسیع اور عام تھا۔ اور آپؐ ان کے حق میں باپ ہوگئے تھے۔ تمام لوگ حق کے معاملہ میں آپؐ کی نظر میں برابر تھے۔ آپؐ کی مجلس علم ومعرفت، حیاوشرم اور صبر وامانت داری کی مجلس تھی۔ نہ اس میں آوازیں بلند ہوتی تھیں نہ کسی کے عیوب بیان کیے جاتے تھے نہ کسی کی عزت وناموس پر حملہ ہوتا تھا نہ کمزوریوں کی تشہیر کی جاتی تھی۔ سب ایک دوسرے کے مساوی تھے۔ اور صرف تقویٰ کے لحاظ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی تھی۔ اس میں لوگ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کے ساتھ رحمدلی اور شفقت کا معاملہ کرتے تھے۔ حاجت مند کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔ مسافر اور نووارد کی حفاظت کرتے اور اس کا خیال رکھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں:

آپؐ ہمہ وقت کشادہ رو، اور انبساط وبشاشت کے ساتھ رہتے تھے، بہت نرم اخلاق اور نرم پہلو تھے (۱)۔ نہ سخت طبیعت کے تھے نہ سخت بات کہنے کے عادی، نہ چلّا کر بولنے والے، نہ عامیانہ اور مبتذل بات کرنے والے نہ کسی کو عیب لگانے والے، نہ تنگ دل بخیل، جو بات آپ کو پسند نہ ہوتی اس سے تغافل فرماتے (یعنی اس کو نظر انداز کردیتے اور گرفت نہ فرماتے) اور صراحتاً اس سے مایوس بھی نہ فرماتے اور اس کا جواب بھی نہ دیتے۔ تین باتوں سے آپؐ نے اپنے کو بالکل بچا رکھا تھا۔ ایک جھگڑا دوسرے تکبر اور تیسرے غیر ضروری اور لایعنی کام، لوگوں کو بھی تین باتوں سے آپؐ نے بچا رکھا تھا۔ نہ کسی کی برائی کرتے تھے، نہ اس کو عیب لگاتے تھے اور نہ اس کی کمزوریوں اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑتے تھے۔ اور صرف وہ کلام فرماتے تھے جس پر ثواب کی امید ہوتی تھی۔ جب گفتگو کرتے تھے تو شرکاء مجلس ادب سے اس طرح سر جھکا لیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سب کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں (۲) جب آپؐ خاموش ہوتے تب یہ لوگ بات کرتے۔ آپؐ کے

---

(۱) یعنی جلد مہربان ہوجانے والے، بہت لطف وکرم والے، اور بہت آسانی سے درگزر کرنے والے تھے۔ یہ بھی آتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپؐ کسی سے نزاع نہیں فرماتے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سکون ووقار اور خشوع وخضوع ہے۔ (۲) یعنی بے حس وحرکت کہیں جنبش سے چڑیاں اڑ نہ جائیں۔

سامنے کبھی نزاع نہ کرتے، اگر آپؐ کی مجلس میں کوئی شخص گفتگو کرتا تو بقیہ سب لوگ خاموشی سے سنتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کرلیتا۔ آپؐ کے سامنے ہر شخص کی گفتگو کا وہی درجہ ہوتا جوان کے پہلے آدمی کا ہوتا (کہ پورے اطمینان سے اپنی بات کہنے کا موقع ملتا، اور اسی قدردانی اور اطمینان کے ساتھ اسے سنا جاتا) جس بات سے سب لوگ ہنستے اس پر آپؐ بھی ہنستے، جس سے سب تعجب کا اظہار کرتے آپؐ بھی تعجب فرماتے۔ مسافر اور پردیسی کی بے تمیزی اور ہر طرح کے سوال کو صبر و تحمل کے ساتھ سنتے، یہاں تک کہ آپؐ کے اصحاب کرامؓ ایسے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیتے (تاکہ آپؐ پر کوئی بار نہ ہو) آپؐ فرماتے تھے کہ "تم کسی حاجت مند کو پاؤ تو اس کی مدد کرو" آپؐ مدح و تعریف اسی شخص کی قبول فرماتے جو حد اعتدال میں رہتا، کسی کی گفتگو کے دوران کلام نہ فرماتے اور اس کی بات کبھی نہ کاٹتے ہاں اگر وہ حد سے بڑھنے لگتا تو اس کو منع فرمادیتے۔ یا مجلس سے اٹھ کر اس کی بات قطع فرمادیتے۔

آپؐ سب سے زیادہ فراخ دل، کشادہ قلب، راست گفتار، نرم طبیعت اور معاشرت و معاملات میں نہایت درجہ کریم تھے جو پہلی بار آپ کو دیکھتا وہ مرعوب ہوجاتا، آپ کی صحبت میں رہتا تو جان پہچان حاصل ہوتی تو آپؐ کا فریفتہ اور دلدادہ ہوجاتا۔ آپ کا ذکر خیر کرنے والا کہتا ہے کہ نہ آپؐ سے قبل میں نے آپؐ جیسا کوئی شخص دیکھا نہ آپؐ کے بعد۔ صلی اللہ علیٰ نبینا وسلم (۱)

## آپؐ کے اخلاق عالیہ پر ایک نظر

آپؐ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ فراخ دل، نرم طبیعت اور خاندانی لحاظ سے سب سے زیادہ محترم تھے، اپنے اصحاب کرام سے الگ تھلگ نہ رہتے تھے بلکہ ان سے پورا میل جول رکھتے تھے۔ ان سے باتیں کرتے، ان کے بچوں کے ساتھ خوش طبعی اور خوش

---

(۱) اقتباس از "شمائل ترمذی" منقول از "نبی رحمت"

مذاق کے ساتھ پیش آتے، ان بچوں کو اپنی گود میں بٹھاتے، غلام اور آزاد باندی، مسکین اور فقیر سب کی دعوت قبول فرماتے، بیماروں کی عیادت فرماتے خواہ وہ شہر کے آخری سرے پر ہوں۔ عذر خواہ کا عذر قبول فرماتے۔(۱) آپ کو صحابہ کرامؓ کی مجلس میں کبھی پیر پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا تا کہ اس کی وجہ سے کسی کو تنگی و دشواری نہ ہو، آپؐ کے صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے اشعار سنتے سناتے اور جاہلیت کی بعض باتوں اور واقعات کا تذکرہ کرتے تو آپؐ ساکت رہتے یا تبسم فرمادیتے، آپؐ نہایت درجہ نرم دل، محبت کرنے والے اور لطف وعنایت کا پیکر تھے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے میرے دونوں بیٹوں (حسن حسین رضی اللہ عنہما) کو بلاؤ وہ دوڑتے ہوئے آتے تو آپؐ ان دونوں کو پیار کرتے اور ان کو اپنے سینہ سے لگالیتے۔(۲) آپؐ کے ایک نواسے کو آپؐ کی گود میں اس حال میں دیا گیا کہ اس کی سانس اکھڑ چکی تھی، آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ رحم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں ہی پر رحم فرماتا ہے۔(۳)

جب بدریوں کے قیدیوں کے ساتھ حضرت عباسؓ کی مشکیں کسی گئیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی کراہ سنی تو آپ کو نیند نہیں آئی، جب انصار کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے ان کی مشکیں کھول دیں، اور یہ خواہش کی کہ ان کا فدیہ بھی چھوڑ دیا جائے لیکن آپؐ نے اس بات کو قبول نہ فرمایا۔

آپؐ بے حد شفیق اور مہربان تھے، ان کے احوال کی بہت رعایت فرماتے تھے۔ انسانی طبائع میں جو اکتاہٹ اور وقتی طور پر پست ہمتی یا تعطل پیدا ہوتا رہتا ہے اس کا برابر لحاظ

---

(۱) بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (ابو نعیم: الحلیہ)

(۲) ترمذی، باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما۔ (۳) بخاری شریف، کتاب المرضیٰ باب عیادۃ الصبیان، نیز کتاب الجنائز باب قول النبی ﷺ۔ یعذب المیت ببکاء أہلہ

رکھتے تھے۔ اسی لئے وعظ ونصیحت وقفوں کے ساتھ فرماتے تھے کہ کہیں اکتاہٹ نہ پیدا ہونے لگے۔ اگر کسی بچہ کا رونا سن لیتے تو نماز مختصر فرمادیتے، اور یہ فرماتے: میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ طویل نماز پڑھوں کہ کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہو تو اس خیال سے نماز مختصر کردیتا ہوں کہ اس کی ماں کو دشواری وتکلیف نہ ہو۔"

آپؐ فرماتے تھے تم میں سے کوئی شخص مجھ سے کسی دوسرے کی شکایت نہ کرے۔ اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ تمھارے سامنے اس حالت میں آؤں کہ میرا دل بالکل صاف ہو۔ آپؐ مسلمانوں کے حق میں شفیق باپ کی طرح تھے۔ آپؐ فرماتے تھے جس نے ترکہ میں مال چھوڑا وہ اس کے وارثوں کا ہے۔ کچھ قرض باقی ہے تو وہ ہمارے ذمہ، آپؐ افراط وتفریط سے پاک تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو جب دو کاموں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینی ہوتی ہے تو ہمیشہ اس کو اختیار فرماتے جو زیادہ سہل ہوتا بشرطیکہ اس میں گناہ کا شائبہ نہ ہو۔ اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپؐ اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے۔ اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اپنی نعمت کا نشان اپنے بندے پر دیکھے۔

آپ گھر میں عام انسانوں کی طرح رہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ اپنے کپڑوں کو بھی صاف فرماتے تھے، بکری کا دودھ بھی خود دوہ لیتے تھے۔ اور اپنا کام خود انجام دے لیتے تھے۔ اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے تھے، جوتا گانٹھ لیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپؐ اپنے گھر میں کس طرح رہتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ گھر کے کام کاج میں رہتے تھے، جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے باہر چلے جاتے اور بیان کرتی ہیں کہ آپؐ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ نرم اور سب سے زیادہ کریم تھے اور ہنستے مسکراتے رہتے تھے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اپنے اہل وعیال پر شفیق ورحیم ہو۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول

---

(۱) بخاری شریف، کتاب المرضی باب عیادۃ الصبیان، نیز کتاب الجنائز باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببکاء اہلہ

اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لئے سب سے بہتر ہو اور میں اپنے اہل وعیال کے معاملہ میں تم سب سے بہتر ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا، اگر خواہش ہوئی تو تناول فرمایا، ناپسند ہوا تو چھوڑ دیا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کی دس سال خدمت کی۔ آپ ﷺ نے کبھی ہوں نہیں کہا اور نہ یہ فرمایا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا اور فلاں کام تم نے کیوں نہ کیا۔ آپؐ کے صحابہ کرامؓ آپؐ کے لئے اس خیال سے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ آپ اس کو پسند نہیں فرماتے اور فرماتے کہ میری اس طرح آگے بڑھ کر تعریف وتوصیف نہ کرو۔ جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ کیا تھا۔ میں تو ایک بندہ ہوں، تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مدینہ کی لونڈیوں اور باندیوں میں سے کوئی آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور جو کچھ کہنا ہوتا کہتی اور جتنی دور چاہتی لے جاتی۔ عدی بن حاتم جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کو اپنے گھر بلایا۔ باندی نے تکیہ ٹیک لگانے کے لئے پیش کیا۔ آپؐ نے اس کو اپنے اور عدی کے درمیان رکھ دیا اور خود زمین پر بیٹھ گئے۔ عدی کہتے ہیں کہ اس سے میں سمجھ گیا کہ وہ بادشاہ نہیں ہیں۔ ایک شخص نے آپ کو دیکھا تو رعب وجلال سے کانپ گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں میں قریش کی ایک خاتون ہی کا فرزند ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔ (۱) آپ گھر میں جھاڑو دے لیتے، اونٹ باندھتے، ان کو چارہ دیتے، گھر کی خادمہ کے ساتھ کھانا کھا لیتے اور آٹا گوندھنے میں اس کی مدد کر دیتے۔ اور بازار سے خود سودا سلف لے آیا کرتے تھے۔

آپؐ کو اگر کسی شخص کے متعلق ایسی بات معلوم ہوتی جو آپ کو ناپسند ہوتی تو یہ نہ فرماتے کہ فلاں صاحب ایسا کیوں کرتے ہیں؟ بلکہ یوں کہتے لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسے

---

(۱) ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ

افعال ان سے سرزد ہوتے ہیں یا ایسی باتیں زبان سے نکالتے ہیں اس طرح نام لئے بغیر اس فعل سے روکتے۔

آپؐ کمزور و بے جان جانوروں اور چوپایوں پر شفقت فرماتے، اور ان کے ساتھ نرمی کا حکم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے اور نرم برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے اگر قتل بھی کرو تو اچھی طرح کرو۔ ذبح کرو تو اچھی طرح کرو۔ تم میں سے جو ذبح کرنا چاہے وہ اپنی چھری پہلے تیز کرلے۔ اور اپنے ذبیحہ کو پہلے آرام دے، اور فرمایا کہ ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو۔ ان پر سواری کرو تو اچھی طرح۔ ان کو کھاؤ تو اس حالت میں کہ وہ اچھی حالت میں ہوں۔ خادم، نوکر اور مزدور و غلام کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہیں اور فرماتے جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ، جو تم پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عذاب میں مبتلا نہ کرو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے ماتحت کیا ہے تمھارے بھائی خادم و مددگار ہیں جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو اس کو چاہئے کہ جو خود کھاتا ہے وہی اس کو کھلائے۔ جو خود پہنتا ہے وہی اس کو پہنائے۔ ان کے سپرد ایسا کام نہ کرو جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ اگر ایسا کرنا ہی پڑے تو پھر ان کا ہاتھ بٹاؤ۔

ایک اعرابی آپؐ کے پاس آیا اور پوچھا کہ میں اپنے نوکر کو ایک دن میں کتنی مرتبہ معاف کروں؟ آپؐ نے فرمایا ستر مرتبہ اور فرمایا مزدور کو اس کی مزدوری، اسکا پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔ (۱)

## شمائل نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

ازل سے فطرت انسانی یہ ہے کہ انسان اپنے محبوب و محترم ہستی کی ان عادات وخصائل کو بھی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کا نہ وہ شرعاً مکلف ہے نہ قانوناً پابند، محبت کا آئین سب سے نرالا ہے، محب صادق میں اپنے محبوب کے عادات وخصائل اس کی

(۱) تلخیص از نبی رحمت ج ۲ صفحہ ۱۷۳۔ یہ ساری روایتیں صحاح و سنن سے منقول ہیں اور اصل کتاب میں ان کے حوالہ جات موجود ہیں۔

محبوب ومرغوب چیزوں، اور اس کے مقابلہ میں اس کی ناپسندیدہ چیزوں اور اطوار وعادات کے تحقیق کرنے کی خواہش اور فکر ہوتی ہے۔ اور وہ اس کی نشست وبرخاست، چال ڈھال، لباس وپوشاک اور ان چیزوں سے بھی واقف ہونا چاہتا ہے جو ضابطہ وقانون میں نہیں آتیں۔

یہی وہ محرک تھا جس کی بناء پر علماء نے زمانہ قدیم میں بھی شمائل نبوی کے موضوع پر وقیع وعظیم کتابیں لکھیں۔ اور آج بھی اس کا سلسلہ جاری ہے۔ ان کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت وقبولیت امام ترمذی کی کتاب شمائل کو حاصل ہوئی(۱) ذیل میں اسی کتاب سے مختصراً شمائل نبوی ﷺ پیش کئے جارہے ہیں:

رسول اللہ ﷺ جب چلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ گویا نشیب میں اتر رہے ہیں۔ جب کسی کی طرح توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے۔ آپؐ کی نظر نیچی رہتی تھی۔ آپ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ آپ کی عادت شریفہ عموماً گوشۂ چشم سے دیکھنے کی تھی، چلنے میں آپ صحابہؓ کو اپنے آگے کردیتے تھے اور آپ پیچھے رہ جاتے تھے۔ جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتداء فرماتے۔

آپؐ کے بال نصف کانوں تک تھے اور ان پٹوں سے جو کان کی لو تک ہوا کرتے ہیں زیادہ تھے، اور ان سے کم تھے جو مونڈھوں تک ہوتے ہیں یعنی نہ زیادہ لانبے تھے نہ چھوٹے بلکہ متوسط درجہ کے۔

آپؐ نے مانگ بھی نکالی ہے۔ سر مبارک میں کثرت سے تیل استعمال فرماتے تھے۔ اور بکثرت داڑھی میں کنگھی کرتے۔ جب وضو فرماتے یا کنگھی کرتے یا پاپوش کو عزت بخشتے تو داہنی طرف سے ابتدا کرنا پسند فرماتے۔ آپؐ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی۔ جس سے

(۱) مشہور مورخ وسیرت نگار ومفسر حافظ ابن کثیر کی بھی اس موضوع پر مشتمل تصنیف "شمائل الرسول" کے نام سے ہے۔

ہر رات کو تین بار ایک آنکھ میں اور تین بار دوسری آنکھ میں سرمہ لگایا کرتے۔ لباس میں کرتا سب سے زیادہ پسند تھا۔ جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو (اظہار مسرت کے طور پر) اس کا نام لیتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ کرتا مرحمت فرمایا۔ ایسے ہی عمامہ، چادر وغیرہ، پھر یہ دعا پڑھتے:

اللهم لك الحمد كما كسوتنيه أسئلك خيره وخير ما صنع له واعوذبك من شره وشرّ ما صنع له.

اے اللہ تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں، اور اس کے پہنانے پر تیرا ہی شکر ہے۔ یا اللہ تجھی سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں اور ان مقاصد کی خوبی چاہتا ہوں جن کیلئے یہ کپڑا بنایا گیا اور اس کے شر سے اور ان مقاصد کے شر سے جن کے لئے یہ بنایا گیا، تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اور فرماتے کہ سفید کپڑوں کو اختیار کیا کرو۔ سفید کپڑا ہی زندگی کی حالت میں پہننا چاہئے اور سفید ہی کپڑوں میں مُردوں کو دفن کرنا چاہئے، یہ بہترین لباسوں میں سے ہے، نجاشی نے آپؐ کی خدمت میں دو سیاہ سادے موزے بھیجے، آپؐ نے ان کو پہنا اور وضو کے بعد ان پر مسح بھی فرمایا اور ایسے جوتوں میں نماز پڑھی جن میں دوسرا چمڑا سلا ہوا تھا۔ اور یہ فرماتے کہ ایک جوتہ پہن کر کوئی نہ چلے یا دونوں پہن کر چلے یا دونوں نکال دے۔ بائیں ہاتھ سے کھانے یا صرف ایک جوتہ پہن کر چلنے سے آپؐ منع فرماتے تھے اور فرماتے جوتا پہنو تو پہلے داہنا پیر ڈالو اور اتارو تو پہلے بایاں پیر نکالو" آپؐ نے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنی ہے، اور ایک انگوٹھی بنوائی جس کا نقش یہ تھا، محمدؐ ایک سطر میں، رسول دوسری سطر میں، اور اللہ تیسری سطر میں، اور جب بیت الخلا جاتے تو انگوٹھی اتار دیتے۔

آپؐ فتح مکہ کے موقع پر جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں، تو سر پر سیاہ عمامہ تھا،

عمامہ جب پہنتے تو اس کا شملہ دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈال لیتے، حضرت عبید بن خالد المحاربیؓ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ جارہا تھا کہ میں نے ایک شخص کو اپنے پیچھے سے یہ کہتے سنا کہ لنگی اوپر کو اٹھاؤ، میں نے کہنے والے کی طرف متوجہ ہو کر دیکھا تو وہ حضور رسالت مآب ﷺ تھے، میں نے عرض کیا کہ حضور یہ ایک معمولی سی چادر یہ ہے (اس میں کیا تکبر ہو سکتا ہے) آپؐ نے فرمایا کہ "تمھارے لئے میرا اسوہ نہیں ہے؟ (میں نے آپؐ کے ارشاد پر) آپ کی لنگی کو دیکھا تو آدھی پنڈلیوں تک تھی۔

آپؐ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے، اور فرماتے تھے کہ "میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا، اور (کھانے سے فراغت پر) تین۳ مرتبہ اپنی انگلیاں چاٹتے تھے، آپؐ نے نہ کبھی کھانا چوکی پر تناول فرمایا(۱) نہ چھوٹی طشتریوں (۲) میں، اور نہ کبھی آپؐ کے لئے پتلی روٹیاں (چپاتی کی طرح) پکائی گئیں، حضرت قتادہؓ سے پوچھا گیا، کہ پھر کھانا کس چیز پر تناول فرماتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دستر خوان پر، آپ کو کدو لوکی مرغوب تھی، اور حلوہ اور شہد بھی مرغوب تھا، گوشت میں دست کا گوشت پسند کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ بات نہیں تھی کہ دست کا گوشت آپ کو سب سے زیادہ پسند ہو بلکہ آپ کو کبھی کبھی گوشت میسر آتا تھا، اور یہ جلدی گل جاتا ہے، اسلئے یہ پسند تھا، تاکہ جلدی سے فارغ ہو کر اپنے مشاغل عالیہ میں مصروف ہوں، اور اسی طرح آپ کو ہانڈی اور پیالہ کا بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔

آپؐ فرماتے تھے کہ "جو شخص بغیر خدا کا نام لئے کھانا کھاتا ہے، اسکے ساتھ شیطان شریک ہوتا ہے" اور یہ بھی فرمایا، "اگر کوئی کھانا شروع کردے، اور بسم اللہ کہنا بھول جائے تو یوں کہہ لے:

---

(۱) مشہور مورخ و سیرت نگار و مفسر حافظ ابن کثیر کی بھی اس موضوع پر مستقل تصنیف "شمائل الرسول" کے نام سے ہے۔

﴿بسم الله اوّله و آخره﴾. الله کے نام سے اسکے شروع میں (بھی) اور آخر میں (بھی)۔

کھانے سے فراغت پر فرماتے تھے:۔

الحمدلله الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین. اس خدا ہی کی تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا۔

اور جب سامنے سے دستر خوان اٹھا دیا جاتا تو فرماتے:۔

الحمدلله حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه غیر مودع ولا مستغنیً عنه ربّنا. اللہ تعالیٰ کی بہت، اچھی اور بابرکت حمد ہے، وہ اللہ جس سے نہ بے نیاز ہوا جا سکتا ہے، نہ اس کو خیر باد کہا جا سکتا ہے۔ وہ ہمارا پروردگار ہے۔

اور فرماتے کہ "اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے کہ بندہ کچھ کھائے اور کچھ پیئے، تو اس پر اللہ کی حمد و ثنا کرے۔"

آپ کو سب سے پسندیدہ مشروب ٹھنڈا اور میٹھا پانی تھا، اور فرماتے "کھانے اور پانی کا بدل دودھ کی طرح کوئی چیز نہیں" آپؐ نے زمزم کھڑے ہو کر پیا، اور پانی تین سانس میں نوش فرماتے تھے۔

آپؐ کے پاس ایک عطر دان تھا، جس میں سے عطر لگایا کرتے تھے، اور عطر (اگر کوئی ہدیہ پیش کرتا۔) رد نہیں کرتے تھے، اور یہ فرماتے تھے کہ تین[۳] چیزیں رد نہیں کرنی چاہئیں، تکیہ [۱]، تیل[۲] خوشبو، اور دودھ[۳]، اور فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے جسکی خوشبو پھیلتی ہوئی ہو، اور رنگ غیر محسوس ہو، اور زنانہ خوشبو وہ ہے جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی

طرح لگاتار جاری نہیں ہوتی تھی، بلکہ صاف صاف، ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا کہ پاس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے، اور (بعض مرتبہ) کلام کو (حسب ضرورت) تین۳ تین۳ مرتبہ دہراتے، تاکہ آپؐ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں، اور آپؐ کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا، عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا، اور بعض اوقات آپؐ اس طرح بھی ہنسے کہ دندان مبارک ظاہر ہوگئے، جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے تھے، تو تبسم فرماتے تھے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ میل جول اور مزاح فرماتے تھے، چنانچہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، حضورؐ اس سے فرماتے، "یا ابا عمیر ما فعل النغیر ؟" (ارے ابو عمیر وہ چڑیا کا بچہ کہاں گیا (۱)) صحابہ کرامؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضورؐ آپ ہم سے خوش مزاجی بھی فرما لیا کرتے ہیں، ارشاد فرمایا، ہاں، مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا، آپؐ مثال کے طور پر کبھی حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شعر بھی پڑھتے تھے، اور کبھی کسی اور شاعر کا، چنانچہ کبھی طرفہ کا یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے۔

**ویاتیك بالاخبار من لم تزوّد**

(یعنی تمہارے پاس کبھی وہ بھی خبریں لے کر آتا ہے، جس کو تم نے کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا۔)

اور کبھی فرماتے کہ سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے، وہ لبید بن ربیعہ کی یہ بات ہے۔

---

(۱) ابو عمیر کے پاس ایک چڑیا کا بچہ تھا، جس کو پنجرے میں بند کر رکھا تھا، اور اس سے کھیلتے تھے، وہ مر گیا تو آپ نے مزاحاً یہ فرمایا۔

الا کل شیء ما خلا اللہ باطل

(آگاہ ہو جاؤ، اللہ جل شانہ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے۔

ایک مرتبہ ایک پتھر آپؐ کی انگلی میں لگ گیا جس کی وجہ سے وہ خون آلودہ ہو گئی تھی۔ تو حضور نے یہ شعر پڑھا۔

هل انت الا اصبع دمیت وفی سبیل اللہ مالقیت(۱)

(تو ایک انگلی ہے جس کو اس کے سوا کوئی مضرت نہیں پہونچی کہ خون آلودہ ہو گئی، اور یہ رائگاں نہیں گیا بلکہ اللہ کی راہ میں یہ تکلیف پہونچی)

اور جنگ حنین کے موقعہ پر آپ یہ رجز پڑھ رہے تھے:

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

(میں بلاشک وشبہ نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں)

آپؐ نے شعر پڑھنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اور اس پر انعام بھی دیا اور اس کو پسند بھی فرمایا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں سو سے زیادہ مجلسوں میں بیٹھا ہوں جن میں صحابہ اشعار پڑھتے تھے اور جاہلیت کے زمانے کے قصے اور واقعات نقل کرتے تھے اور آپؐ (ان کو روکتے نہیں تھے) خاموشی سے سنتے تھے بلکہ کبھی کبھی ان کے ساتھ تبسم بھی فرماتے تھے۔ حضرت حسّان بن ثابتؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے۔ تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضور ﷺ کی تعریف میں مدحیہ اشعار پڑھیں۔ اور آپؐ کی طرف سے مدافعت کریں۔ اور یہ بھی فرماتے تھے کہ حق

---

(۱) اس شعر کے بارے میں بظاہر یہ اشکال ہے کہ قرآن پاک میں آپؐ کی توصیف میں فرمایا گیا ہے۔ ﴿وما علّمنٰہ الشعر وماینبغی لہ﴾ (یٰسین۔۶۹)

اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ زبان پر موزوں کلام کا جاری ہو جانا اس کے منافی نہیں۔ دوسری بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ یہ دوسرے کا شعر ہے جس کو آپ نے بطور استشہاد اس موقع پر پڑھا۔

تعالی شانہ روح القدس کے ذریعہ حسان کی مدد فرماتے ہیں جب تک وہ دین کی طرف سے دفاع یا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جواب دیتے رہیں۔

اور جب آپ آرام فرماتے تو داہنا ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے، اور پھر فرماتے :-

| | |
|---|---|
| رب قنی عذابك يوم تبعث عبادك | اے میرے رب جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا تو اپنے عذاب سے مجھے محفوظ رکھنا۔ |

اور جب بستر پر تشریف لے جاتے تو فرماتے :-

| | |
|---|---|
| اللهم باسمك اموت واحيى | اے اللہ آپ ہی کے نام پر میں مروں اور زندہ رہوں۔ |

اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا کرتے :-

| | |
|---|---|
| الحمد لله الذى احيانا بعد ما اماتنا اليه النشور | اس خدا کی تمام تعریفیں ہیں جس نے مارنے کے بعد ہم کو جلایا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔ |

آپؐ کا بستر جس پر استراحت فرماتے تھے، چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، آپؐ مریض کی عیادت کرتے، اور جنازہ میں شریک ہوتے تھے، غلام کی بھی دعوت قبول فرماتے، آپؐ نے ایک پرانے پالان پر سوار ہو کر حج فرمایا جس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا۔ جو چار درہم کا بھی نہیں ہوگا۔ اور فرماتے کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کرلوں، اور اسکی دعوت کی جائے تو میں ضرور جاؤں، اور آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ناگوار بات کو رُو در رُو منع نہیں فرماتے تھے، آپؐ ہدیہ قبول فرماتے، اور اس پر بدلہ بھی دیتے تھے، شرم وحیا میں آپؐ اس کنواری لڑکی سے بھی (جو اپنے پردہ میں ہو) بہت بڑھے

ہوئے تھے اور جب کوئی بات ناگوار خاطر ہوتی تو چہرہ سے فوراً پہچان لی جاتی۔

## ساتواں باب

# اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ

اسلام نے عورت کے وقار و اعتبار کی بحالی، انسانی سماج میں اسے مناسب مقام دلانے، ظالم قوانین، غیر منصفانہ رسم و رواج اور مردوں کی خود پرستی اور تکبر سے اسے نجات دلانے کے سلسلہ میں اہم کارنامہ انجام دیا ہے، قرآن مجید پر ایک سرسری نظر بھی عورت کے بارے میں جاہلی نقطۂ نظر اور قرآنی و اسلامی زاویۂ نگاہ کے کھلے فرق کو سمجھنے کے لئے کافی ہے، جس سے انفرادی سلوک اور اجتماعی قوانین متعلق ہوتے ہیں۔

وہ قرآنی آیات جو نصف نوع انسانی اور جنس لطیف کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ وہ عورت کے اندر اس لئے اعتماد پیدا کرتی ہیں کہ ان کے بموجب معاشرہ میں اور خدا کے نزدیک اس کا ایک متعین مقام ہے اور وہ دین و علم، خدمتِ اسلام، خیر و تقویٰ میں تعاون اور صالح معاشرہ کی تعمیر میں پوری طرح حصہ لے سکتی ہے، قرآنی آیات قبول اعمال، نجات و سعادت اور آخرت کی کامیابی کے بیان میں ہمیشہ مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ومن یعمل من الصٰلحٰت من ذکر او انثی وھو مؤ من فاولٰئک یدخلون الجنة ولا یظلمون نقیراً﴾ (النساء۔۱۲۴)

اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا (خواہ) مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان ہو تو ایسے (سب) لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿فاستجاب لهم ربهم انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ بعضکم من بَعض﴾ (آل عمران۔۱۹۵)

سو ان کی دعا کو ان کے پروردگار نے قبول کر لیا اس لئے کہ میں تم میں کسی عمل کرنے والے کے (خواہ) مرد ہو یا عورت عمل کو ضائع نہیں ہونے دیتا، تم آپس میں ایک دوسرے کے جزء ہو۔

اسی طرح وہ حیات طیبہ کے مواقع ووسائل عطا کرنے کے موقع پر بھی مردوں کے ساتھ عورتوں کو یاد رکھتا ہے بلکہ اس کے لئے ضمانت دیتا ہے اور اس کا وعدہ کرتا ہے "حیات طیبہ" ایک جامع اور دور رس معانی پر مشتمل کلمہ ہے جو مثالی اور کامیاب زندگی کا مفہوم اور عزت واطمینان کے غیر محدود معانی رکھتا ہے:

﴿من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ وھو مؤمن فلنحیینه حیٰوۃً طیبة ولنجزینھم اجرھم باحسن ماکانو یعملون﴾ (النحل. ۹۷)

نیک عمل جو کوئی بھی کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اسے ضرور ایک پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ہم انھیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ضرور اجر دیں گے۔

صفات حسنہ، اعمال صالحہ اور دین کے اہم شعبوں کے ذکر کے وقت قرآن مجید صرف مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر اور یہ اشارہ ہی نہیں کرتا کہ اعمال صالحہ اور صفات کریمہ میں ذکور واناث میں کوئی فرق نہیں، بلکہ اس کے برعکس وہ ایک ایک صفت کو الگ بیان کرتا ہے، اور جب مردوں کی اس صفت کا ذکر کرتا ہے تو اسی صفت سے عورتوں کو بھی موصوف کرتا اور ان کا مستقل ذکر کرتا ہے اگرچہ اس کے لئے طویل پیرائیہ بیان ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔

اس کی حکمت یہ ہے کہ ان صفات میں قوت وصلاحیت رکھنے والے مردوں پر

عورتوں کو قیاس کرنے پر وہ انسانی ذہن آمادہ نہیں ہوتے جنھوں نے غیر اسلامی مذاہب وفلسفہ اور قدیم معاشرت و آداب کے سایہ میں تربیت پائی ہے، ایسے ذہنوں نے ہمیشہ مردوں اور عورتوں میں تفریق کی ہے اور انھیں بہت سے فضائل میں مردوں کے ساتھ شرکت سے بھی مستثنیٰ کرر کھا ہے چہ جائیکہ ان میں ان کی مزاحمت وسبقت کو گوارا کریں۔ آپ میرے ساتھ اس آیت کریمہ کی تلاوت کریں۔

﴿ان المسلمين والمسلمٰت والمؤمنين والمؤمنات والقٰنتين والقٰنتٰت والصٰدقين والصٰدقٰت والصٰبرين والصٰبرٰت والخٰشعين والخٰشعات والمتصدقين والمتصدقٰت والصائمين والصٰئمٰت والحٰفظين فروجهم والحٰفظٰت والذٰكرين الله كثيراً والذٰكرات اعد الله لهم مغفرة واجراً عظيماً﴾

(الاحزاب. ۳۵)

بے شک اسلام والے اور اسلام والیاں، اور ایمان والے اور ایمان والیاں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور صادق مرد اور صادق عورتیں، اور صابر مرد اور صابر عورتیں، اور خشوع والے اور خشوع والیاں، اور تصدق کرنے والے اور تصدق کرنے والیاں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں، ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

قرآن مجید صرف طاعات وعبادات ہی کے سلسلہ میں ان کا ذکر نہیں کرتا بلکہ باصلاحیت مردوں، علماء اولوالعزم افراد دینی واخلاقی احتساب اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی راہ میں مشکلات برداشت کرنے والوں کے ساتھ بھی ان کا ذکر کرتا ہے اور مؤمنین

ومؤمنات کو ایک متحدہ اور خیر و تقویٰ پر تعاون کرنے والی جماعت کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے:

﴿والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض یأ مرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقیمون الصلٰوۃ ویؤتون الزکوٰۃ ویطیعون اللہ ورسولہ اولٰئک سیرحمھم اللہ ان اللہ عزیز حکیم﴾ (التوبہ۔۷۱)

اور ایمان والے اور ایمان والیاں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، نیک باتوں کا آپس میں حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے رہتے ہیں۔ اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ ان پر ضرور رحمت کرے گا، بے شک اللہ بڑے اختیار والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے۔

وہ شرف انسانی کی اعلیٰ ترین منزل پر پہنچنے کا ذریعہ اور کامل معیار جنس و نسل اور رنگ و خون سے قطع نظر صرف تقویٰ کو قرار دیتا ہے:

﴿یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوآ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم ان اللہ علیم خبیر﴾ (الحجرات. ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور خاندان بنادیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک تم میں سے پرہیز گار تر اللہ کے نزدیک معزز تر ہے بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے پورا خبر دار ہے۔

یہ سب باتیں عورتوں میں ہمت، خودداری اور خود اعتمادی پیدا کرنے اور جدید نفسیات کی اصطلاح میں انھیں احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX)

سے دور رکھنے کے لئے بہت کافی ہیں۔

ان ہی تعلیمات کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد سے عصر حاضر تک مشاہیر خواتین اسلام (۱) میں معلمات اور تربیت کرنے والی جہاد اور تیمارداری کرنے والی، ادیب و مصنف، حافظ قرآن، حدیث کی راوی، عابد وزاہد اور معاشرہ میں صاحب حیثیت ووجاہت خواتین کی ایک بڑی تعداد نظر آتی ہے۔ جن سے علمی استفادہ کیا گیا اور جن سے تربیت حاصل کی گئی اور جو معیاری مثالی شخصیت کی حامل تھیں۔

وہ حقوق جو اسلام نے مسلمان عورت کو دیئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔ ملکیت و میراث کا حق، خرید و فروخت کا حق، شوہر سے علیحدگی (خلع) کا حق اگر ضروری ہو) منگنی ختم کرنے کا حق (اگر اس سے وہ راضی نہ ہو) عیدین، جمعہ اور جماعت کی نمازوں میں شرکت کا حق اور ان کے علاوہ حقوق کی تفصیلات فقہی کتابوں میں موجود ہیں۔ (۲)

---

(۱) اس سلسلہ میں مشاہیر خواتین اسلام کی سوانح عمریاں دیکھی جاسکتی ہیں۔

(۲) ماخوذ از (تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات)

## آٹھواں باب

# اسلام میں انسانیت کا مقام و مرتبہ

### انسان خدا کا نائب اور خلیفہ ہے[1]

اسلام نے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ انسان دنیا میں خدا کا نائب، خلیفۃ اللہ اور دنیا کا ٹرسٹی ہے، دنیا ایک وقف ہے اور انسان ایک متولی، اس کے ذمہ یہاں کا انتظام اور ہدایت کا کام ہے، دنیا میں چھوٹے بڑے، بہت سے وقف ہوتے ہیں، یہ سارا عالم، یہ ساری کائنات ایک عظیم الشان وقف (ٹرسٹ) ہے، یہ کسی کی ذاتی ملکیت، یا کسی کے باپ، دادا کی جائداد نہیں ہے کہ جس طرح چاہے کھائے اڑائے، اس وقف میں جانور، چرند، پرند، درخت، دریا، پہاڑ، سونا، چاندی، سامان خوراک اور دنیا کی تمام نعمتیں ہیں، یہ سب انسان کے حوالے کی گئی ہیں کیونکہ وہ ان کے مزاج سے بھی واقف ہے اور ان کا ہمدرد بھی، انسان خود اسی ٹرسٹ کی مٹی سے بنا ہے، اسی خاک کا ہے اور منتظم کے لئے واقفیت و علم اور ہمدردی و تعلق دونوں شرط ہیں۔ انسان دنیا کے نفع و نقصان سے بھی واقف ہے، اور اس کے اندر اس کی ضروریات بھی رکھی گئی ہیں۔ اس لئے وہ اچھا ٹرسٹی بن سکتا ہے۔

---

(۱) آج کل انسان کی جتنی ناقدری کی جارہی ہے اور جس طرح انسانیت کا خون کیا جارہا ہے اس کو دیکھ کر حضرت مولانا نے "تحریک پیامِ انسانیت" جاری کی تاکہ انسانوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے اور ان کو حقیقی مقام سے آشنا کیا جائے۔ جس کے سلسلہ میں مملکت کے مختلف حصوں میں جلسے ہوئے اور بڑی تعداد میں لٹریچر تقسیم کیا گیا اور انسانیت کا درد رکھنے والوں سے رابطہ قائم کیا گیا۔ جو لوگ اس کا درد رکھتے ہیں وہ اس پتہ پر رابطہ قائم کریں۔ دفتر حلقہ پیامِ انسانیت، پوسٹ بکس ۹۳۔ لکھنؤ

مثال کے طور پر لائبریری (کتب خانہ) کا انتظام وہی اچھا کر سکتا ہے جس کو علم کا شوق ہو اور کتابوں سے لگاؤ اور دلچسپی ہو، اگر کسی کتب خانہ کا انتظام کسی جاہل کے سپرد کر دیا گیا، چاہے وہ کتنا ہی شریف اور اچھا آدمی ہو، وہ بہترین لائبریرین نہیں بن سکتا۔ لیکن جس کو علم کا شوق ہو گا اور کتابوں سے مناسبت ہو گی، وہ اس میں کافی وقت صرف کرے گا، اس کے ذخیرے میں معقول اضافہ کرے گا اور اس کو ترقی دے گا۔

اسی طرح انسان چونکہ اسی دنیا کا ہے اس کو اس سے دلچسپی بھی ہے اور وہ اس کا ضرورت مند بھی ہے اس سے واقف بھی ہے اور اس کا ہمدرد بھی، اس کو اسی میں رہنا بھی ہے اور اسی میں مرنا بھی۔ لہٰذا وہ اس کی پوری دیکھ بھال کرے گا اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو ٹھکانے لگائے گا۔ یہ کام اس کے علاوہ اور کوئی اس خوبی سے انجام نہیں دے سکتا۔

## دنیا کے انتظام کے لئے انسان ہی موزوں ہے

جب حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور زمین میں اپنا نائب بنایا، فرشتے جو پاک اور روحانی مخلوق ہیں، جو نہ گناہ کرتے ہیں، نہ گناہ کی خواہش رکھتے ہیں، بولے اے مالک آپ ایسے کو اپنا نائب بنا رہے ہیں جو دنیا میں خون خرابہ کرے گا، ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں اور تیری عبادت میں مشغول رہتے ہیں، یہ منصب ہم کو عطا فرما، خدا نے جواب دیا، تم اس بات کو نہیں جانتے ہو، خدا نے آدم اور فرشتوں کا امتحان لیا، چونکہ آدم اسی خاک کے تھے، ان کو دنیا استعمال کرتی تھی۔ ان کی فطرت کو اس سے مناسبت تھی، اس لئے وہ اس کی ایک ایک چیز سے واقف تھے۔ انھوں نے ٹھیک جواب دیا، فرشتوں کو ان چیزوں سے واسطہ نہ تھا، اس لئے جواب نہ دے سکے۔ اس طرح خدا نے دکھا دیا کہ دنیا کے انتظام اور اس وقف کی تولیت کے لئے اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود انسان ہی موزوں ہے۔ بلکہ یہ کمزوریاں اور ضرورتیں ہی اس کو اس منصب کا اہل ثابت کرتی ہیں۔ اگر اس دنیا میں فرشتے ہوتے تو دنیا کی اکثر نعمتیں بیکار ہی ثابت ہوتی اور ان کی وہ ترقی ہرگز نہ ہوتی جو انسان نے اپنی ضرورت اور

خواہش کی بنا پر دی۔

## کامیاب قائم مقام

لیکن یہ بھی آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ نائب اور قائم مقام کا فرض ہے کہ قائم مقام بنانے والے کی پوری پیروی کرے، وہ اس کے اخلاق کا نمونہ اور پر تو ہو، اگر میں یہاں کسی کا قائم مقام ہوں تو کامیاب اور وفادار قائم مقام اسی وقت کہلاؤں گا جب اپنی بساط بھر اس کی نقل کروں اور اپنے اندر اس کے اخلاق پیدا کروں، خدا کی نیابت یہ ہے کہ اپنے اندر اس کے اخلاق پیدا کئے جائیں اور اس کی صفات سے مناسبت ہو، ہمیں بتلایا گیا ہے کہ اس کی صفات واخلاق میں علم، رحمت، شکر، احسان، انتظام، پاکبازی، عفوودرگذر، بخشش وعطا، عدل وانصاف، حفاظت ونگرانی، محبت، جلال وجمال، مجرمین سے گرفت وانتقام، جامعیت ووسعت ہے۔

## اخلاق خداوندی کا مظاہرہ

خدا کے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ نے انسان کو تعلیم دی کہ خدا کے اخلاق اختیار کرو (تخلقوا باخلاق اللہ) انسان اپنے محدود انسانی دائرے میں اور اپنی تمام بشری کمزوریوں کے ساتھ ان اخلاق خداوندی اور ان صفات اللہ کا پر تو اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے وہ کبھی خدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن دنیا میں خدا کے اخلاق کا مظاہرہ کر سکتا ہے اور یہی ایک سچے نائب کا کام ہے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر انسان حقیقی طور پر اپنے کو خدا کا نائب سمجھنے لگے اور اخلاق خداوندی کو اپنی زندگی کا معیار بنائے تو خود اس کی ترقی وبلندی اور اس کے دور خلافت ونیابت میں دنیا کی خوش حالی اور سرسبزی کا کیا حال ہوگا؟ مذہب انسان کا بلند ترین اور معتدل ترین تصور بخشتا ہے وہ انسان کو خدا کا نائب اور اس زمین کے انتظام میں اس کا قائم مقام اور اس عظیم الشان وقف کا اس کو متولی قرار دیتا ہے اس سے بڑھ کر انسان کا اعزاز اور انسانیت کی معراج نہیں ہو سکتی۔

## دو متضاد تصور

مگر انسانوں نے خود دو متضاد تصور قائم کیے، کہیں تو انسان کو خدا بنایا گیا اور اس کی عبادت ہونے لگی اور کہیں جانور سے بدتر سمجھ لیا گیا، اور اس کو گائے بیل کی طرح ہنکایا جانے لگا۔ بعض انسان خود خدا بن بیٹھے اور بعض جانور سے بدتر سمجھنے لگے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو صرف پیٹ سے کام ہے اور صرف نفس دیا گیا یہ دونوں تصور غلط ہیں بلکہ صریح ظلم ہے۔ نہ انسان خدا ہے نہ جانور، انسان، انسان ہی ہے لیکن نائب خدا ساری دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ خدا کے لئے، ساری دنیا اس کے سامنے جواب دہ ہے اور وہ خدا کے سامنے، یہ زمین یہ دنیا کسی کی ذاتی جائداد نہیں، ایک وقف ہے اور انسان اس کا متولی، اس تصور اور اس عقیدہ کے بغیر دنیا کی چول ٹھیک نہیں بیٹھ سکتی۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ جب انسان اس راہ راست سے ہٹا اور اپنی حد سے بڑھا اور خدا بننے کی کوشش کی اور اپنے کو دنیا کا حقیقی مالک سمجھا، اپنے مرتبہ سے گرا اور اپنے کو جانور سمجھا یا دنیا کے انتظام اور تولیت سے دستبردار ہوا اور زندگی کی ذمہ داریوں اور فرائض سے اس نے گریز کیا تو خود بھی برباد ہوا اور یہ دنیا بھی تباہ ہوئی۔

## پیامِ محبت واتفاق

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اپنے پر اللہ کے اس احسان کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ ایک دوسرے کے منہ دیکھنے کے روادار نہیں تھے، اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے، اللہ نے دلوں کو ملایا، یہ آیت ایک واقعہ سے متعلق ہے، جب مکہ میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو خدا کی بندگی اور عبادت مشکل ہوگئی اور وہاں کے لوگوں نے اپنی ناسمجھی سے اس بات کو نہیں سمجھا کہ یہ ہمارا بھلا چاہتے ہیں یہ ہمیں زمین کی پستی سے اٹھانا چاہتے ہیں، ذلت ورسوائی کی زندگی سے نکال کر ایسی قوم بنانا چاہتے ہیں جس سے ساری دنیا میں روشنی پھیلے۔

ساری دنیا میں محبت عام ہو، اختلافات اور جھگڑے ختم ہوں، ساری دنیا کے

انسانوں کو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیت دی ہے، شجاعت، سخاوت، محبت اور دولت کی جو نعمت عطا کی ہے اس کا صحیح استعمال کریں۔ جو صلاحیتیں چھوٹی چھوٹی معمولی باتوں میں صرف ہو رہی ہیں۔ قومیں قوموں سے لڑ رہی ہیں، ملک ملک کے دشمن ہیں، برادریوں میں ہزار جھگڑے ہیں، خدا کی نافرمانیاں عام ہیں۔ ایسی باتیں سرزد ہو رہی ہیں کہ جن سے خدا ناراض ہوتا ہے، اس کا غضب بھڑکتا ہے جنگل میں جانور جس طرح جانوروں کا شکار کرتے ہیں اس طرح انسان انسان کا شکار کر رہا ہے ؎

تعجب ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

اسلام یہ چاہتا ہے کہ ان کو پستیوں سے اٹھا کر بلندی تک پہونچادے، لیکن مکہ کے لوگ اسے نہیں سمجھے۔ ان کے اندر یہ جذبات کام کر رہے تھے کہ فلاں خاندان، فلاں گھر کا کوئی شخص اتنا بڑھ جائے، جب حضور اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی زندگی مکہ میں دشوار ہو گئی تو انھیں اپنے محبوب وطن کو چھوڑ دینا پڑا۔

وطن ہر شخص کو پیارا ہوتا ہے، لیکن زندگی کا مقصد اس سے زیادہ عظیم تر ہوتا ہے۔

## اوس و خزرج کی معرکہ آرائی

حضور ﷺ اور آپ کے پیرو جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہاں ایک دوسری مصیبت تھی، یہاں دو برادریاں تھیں اور دونوں عرب تھے، مگر عرصہ سے ان میں دشمنی تھی، ہر برادری اپنی خوبی اور دوسرے کی خرابی بیان کرتی، جب کوئی بڑا مقصد سامنے نہیں ہوتا تو چھوٹی چھوٹی باتوں میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ میں زمیندار خاندان کا فرد ہوں، میرے ننہال کا بڑے زمینداروں میں شمار تھا، ہمارے علاقہ میں زمینداری کے دور میں چھوٹی چھوٹی باتوں میں لڑائی ہوتی، مقدمے چلتے، اختلاف ہوتا، کسی ببول کے درخت، حد بندی یا دو کھیتوں کے درمیان کی مینڈھ پر، یا یہ کہ میں گذر رہا تھا فلاں نے سلام نہیں کیا، بس لڑائی چھڑ جاتی، بائیکاٹ ہوتا بچوں کو ہدایت کی جاتی کہ فلاں کے گھر نہ جائیں۔

بچے ان باتوں کو کیا سمجھتے۔ انھیں کھیل ملادیتا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ علم سب کو ملائے لیکن آج دنیا میں کھیل ملاتا ہے ایک ملک کی ٹیمیں دوسرے ملک جاتی ہیں۔ سب مل جل کر کھیلتے ہیں، بڑی افسوس کی بات ہے کہ علم نہ ملائے اور کھیل ملائے سنجیدگی نہ ملائے تفریح ملائے۔

جب کوئی بڑا مقصد سامنے نہیں ہوتا، انسانی دنیا میں جو آگ لگی ہوئی ہے، جو خرابی ہے، خدا کے غضب بھڑکانے والے انسانیت کی ذلت وپامالی کے جو واقعات ہو رہے ہیں ان کا درد واحساس جب نہیں رہتا تو بچوں کی طرح کھیل تماشوں میں جی لگتا ہے یا ایسے معمولی معمولی اختلافات کو لوگ اہمیت دینے لگتے ہیں جن پر رنج بھی ہوتا ہے اور ہنسی بھی آتی ہے۔ مدینہ والوں کا بھی حضورؐ کی آمد سے پہلے یہی حال تھا، اوسؔ وخزرجؔ کے لوگ آپس میں ایسے لڑتے تھے، ایک دوسرے کے خون سے پیاس بجھاتے تھے گویا اس سے بڑھ کر اور کوئی اعلیٰ مقصد نہیں، یہ جذبہ ان میں برسوں سے تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ مدینہ پہونچے تو ان کے سامنے بڑا مقصد آیا، بڑی حقیقتیں کھلیں تو ان کی کایا پلٹ گئی۔ اب وہ آپس میں شیر وشکر، یک جان دو قالب ہو گئے۔ انھوں نے اپنے ماضی کو بالکل بھلادیا۔ مدینہ میں آباد یہودیوں کو یہ پسند نہیں تھا، انھوں نے لڑانے کی بہت کوشش کی۔ بعض مرتبہ دورِ جاہلیت کے وہ اشعار سنائے جن میں قبائلی عصبیت اور جاہلی حمیت کا ذکر تھا۔ اوسؔ خزرجؔ نے اس کا اثر قبول نہیں کیا، اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت نے ان عداوتوں کو دھو دیا تھا۔ ان کو اپنا ماضی ایسا ذلیل معلوم ہونے لگا کہ اسے سوچ کر ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے جب کوئی مشترکہ خطرہ یا مشترکہ محبوب سامنے آجاتا ہے جیسے کعبہ کے گرد سب جمع ہو جاتے ہیں، ایک لباس میں ایک کلمات کے ساتھ، ویسے ہی کعبہ مقصود سامنے آجاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی رضا کا حصول، اللہ کے بندوں کی خدمت ان کے دکھ درد دور کرنے کا جذبہ تو چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی حقیر معلوم ہوتی ہیں کہ ان کے تصور

سے ملتی آتی ہے۔ حضور ﷺ نے ایسے ہی موقع پر ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ "ٹھوکر مارو ایسی گندی چیز کو" واقعہ یہ تھا کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان ایک کنویں پر لڑائی ہو گئی۔ ایک نے اپنے قبیلہ کو آواز دی، دوسرے نے اپنے حمایتیوں کو دہائی دی، تو حضورؐ نے فرمایا چھوڑو یہ بڑی ذلیل حرکت ہے۔ حضورؐ کی تربیت اور اسلام کی برکت سے مہاجرین وانصار میں ایسا انقلاب آیا کہ میدان جنگ میں زخموں سے چور ہیں اور نزع کے عالم میں پیاس لگی ہے، پانی آتا ہے تو دوسرے زخمی کی طرف اشارہ کر کے اسے پہلے پلانے پر اصرار کرتے ہیں، ایثار کا یہ جذبہ، اسلام کے رشتہ، مقصد سے عشق اور حضور ﷺ کی محبت نے پیدا کیا تھا، اس رشتہ کا نشہ ایسا طاری ہو گیا کہ مدینہ کے انصار نے مکہ کے مہاجرین کو اپنی دکان، اپنے کھیت، اپنی جائیداد میں برابر کا شریک کیا۔

## شرک کے بعد سب سے ناپسندیدہ چیز باہمی رنجش

حضور اکرم ﷺ نے شرک کے بعد سب سے زیاہ جس چیز کی مذمت کی ہے وہ باہمی رنجش ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ شبِ برأت یعنی نجات کی رات کو جس میں عام مغفرت ومعافی ہوتی ہے۔ جب دریائے رحمت جوش میں آتا ہے، تین آدمیوں کو پروانۂ مغفرت نہیں ملتا۔ ماں باپ کا نافرمان، عادی شرابی اور وہ شخص جس کے دل میں کسی مسلمان بھائی کی طرف سے بغض وکینہ ہو، آپؐ نے خاص طور پر رشتہ داریوں کا خیال کرنے کی تاکید فرمائی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے، ان میں یہ بھی ہے کہ "انی اصل من قطعي واعفومن ظلمني واعطي من حرمني" میں اس سے رشتہ جوڑوں جو میرا رشتہ ناطہ کاٹے۔ اس کو معاف کروں جو مجھ پر ظلم کرے، اس کو عطا کروں جو مجھے محروم کردے۔

جو دوستی اور محبت کا معاملہ کرے اس سے اچھے تعلقات رکھنا کوئی کمال نہیں۔ اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ جو دشمنی کرے، نقصان پہونچائے اس سے حسن سلوک کیا جائے۔

تحفۂ انسانیت

# خدا نسلِ انسانی سے مایوس نہیں

خدا کا معاملہ نسلِ انسانی کے ساتھ اور انسانی نسل کا معاملہ نسلِ انسانی کے ساتھ بالکل برعکس ہے۔ خدا نسلِ انسانی سے مایوس نہیں؟ اس کی مہربانیاں اور اس کی نعمتیں اس کائنات پر اس سنسار پر برس رہی ہیں، کائنات کی ہر چیز نسلِ انسانی سے پر امید ہے۔ لیکن ہمارا معاملہ ایک دوسرے کے ساتھ یہ بتاتا ہے کہ ہم انسان سے مایوس ہیں۔

کسی "مفکر" نے کہا ہے کہ جو بچہ اس دنیا میں آتا ہے وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ خدا نسلِ انسانی سے مایوس نہیں۔ اگر مایوس ہوتا تو اس نسل میں اضافہ نہیں کرتا۔ اسے اپنی قسمت اور صلاحیت آزمانے اس دنیا میں نہ بھیجتا لیکن انسان انسان کا گلا کاٹتا ہے۔ انسان انسان سے نفرت کرتا ہے، انسان انسان کا استحصال کرتا ہے، جونک کی طرح خون پیتا ہے، اسے گاہک سمجھ کر فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنے رویے سے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ انسانیت کی صلاحیت اور مستقبل سے وہ مایوس ہے۔ خدا اور انسان کے یہ مظاہرے برابر جاری ہیں۔ بارش کا ایک ایک قطرہ اس کا اعلان کرتا ہے کہ دنیا کا پیدا کرنے والا اپنی پیاسی مخلوق سے، اپنی ظالم مخلوق سے ابھی مایوس نہیں ہے۔ زمین روئیدگی کی صلاحیت رکھتی ہے، اس کی پیداوار اس بات کا اعلان ہے کہ خدا اس زمین کے رہنے والوں سے مایوس نہیں۔ سورج چمکتا ہے وہاں کوئی اسٹرائک نہیں۔ چاند برابر نکلتا ہے اور اپنی چاندنی کی چادر پھیلاتا ہے، آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ دلوں کو بھی ٹھنڈک پہونچاتا ہے۔ یہ سب اس بات کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے ابھی مایوس نہیں۔

لیکن ہمارا آپ کا عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ ہم انسان سے مایوس ہیں ہم اپنے کردار وعمل سے اس بات کا مظاہرہ کررہے ہیں کہ ہم اس انسان کو جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے کوئی وقعت نہیں دیتے۔

خدا کی قدرت اور حسنِ تخلیق کے مظاہر ہر چیز میں ہیں۔ پھول، کلی، قطرہ، گھاس کا تنکہ، مٹی کا ذرّہ، درخت کے پتے جس چیز کو دیکھئے تو معلوم ہو گا کہ اس میں ایک دنیا ہے۔ ان سب سے حسین اور دلآویز تخلیق انسان کی ہے۔ ساری چیزیں پوری کائنات اس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ۔ یہ سب اس بات کا اعلان کرتی ہیں کہ انسان خدا کا محبوب ہے، اشرف المخلوقات ہے۔ اس دنیا کی بارات کا دولہا ہے لیکن ہمارا اور آپ کا طرزِ عمل یہ ثابت کرتا ہے کہ انسان میں کوئی خوبی نہیں، ہم اپنے عمل سے خدا کی عدالت میں اپنے خلاف مقدمہ دائر کرتے ہیں کہ ہم کو دنیا سے اٹھالیا جائے گویا ہم فرشتوں کی اس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں جس کی تردید خدا نے کی تھی۔ جب تخلیق انسان کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ﴿انی جاعل فی الارض خلیفة﴾ (میں اسے زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں) فرشتوں نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ "اتجعل فیها من یّفسد فیها ویسفك الدّماء" (کیا آپ ایسے کو" خلیفہ" بنا رہے ہیں جو زمین پر بگاڑ پیدا کرے گا اور خون بہائے گا؟) جب خدا نے علم اشیاء کے بارے میں آدم سے سوال کیا تو اس نے ٹھیک جواب دیا، فرشتے جواب میں ناکام رہے، خدا نے انسان کو جتایا تھا، ہم اس کو ہرا رہے ہیں۔

**جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں**

خدا نے یہ فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ انسان میں کیسے کیسے گن ہیں، اس سے علم کا دریا کیسا ابلتا ہے، سمندروں میں وہ وسعت اور گہرائی نہ ہو گی جو اس میں ہے، اسکی آنکھوں میں محبت کی جو چمک ہے وہ پیش کرنے سے تم قاصر ہو، اسکے دل میں نرمی ہے، محبت ہے، گداز ہے، اس پر درد کی چوٹ لگتی ہے، جس سے تم محروم ہو، اقبال نے بڑی جرأت سے کہا

تھا۔

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

اس سے بڑھ کر یہ کہ۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

فرشتوں کے پاس یہ دولت نہیں، انسان خدا کے یہاں فرشتوں کے مقابلہ میں وہ دل پیش کر سکتا ہے جو چوٹ کھایا ہو۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

کسی پر خنجر چلے، کسی کے تلوے میں کانٹا چبھے تو اسکی کسک اپنے دل میں محسوس ہوتی ہے، انسان کے پاس جو سب سے بڑا سرمایہ ہے وہ رحم کا سرمایہ ہے، وہ محبت کا سرمایہ ہے، وہ ایک آنسو ہے جو انسان کی آنکھ سے کسی بیوہ کے سر کو ننگا، کسی غریب کے چولھے کو ٹھنڈا، کسی مریض کی کراہ کو سن کر ٹپک پڑتا ہے، آنسو کا وہ قطرہ جو سمندر میں ڈال دیا جائے تو اسے پاک کردے، گناہوں کے جنگل میں ڈال دیا جائے تو سب کو جلا کر نور سے بدل دے، فرشتے سب کچھ پیش کر سکتے ہیں لیکن آنسو کا وہ قطرہ نہیں پیش کر سکتے، جس کی قیمت آپ نے بھی نہیں پہچانی، جو ایک انسان دوسرے انسان کے لئے بہاتا ہے۔

ہم رات کو اٹھ کر روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے

فرشتے اپنے مالک کو دیکھ دیکھ کر اور اسکی ذات و صفات کو پہچان کر نہیں سو سکتے، لیکن وہ انسان جو کسی انسان کی مصیبت و درد کی وجہ سے نہیں سو سکتا اسکے جاگنے کو فرشتوں کی بیداری نہیں پہونچ سکتی۔

انسان کے پاس سب سے انمول چیز یہ ہے کہ وہ دوسرے کے درد سے متاثر ہوتا ہے، اسکے اندر محبت کا مادّہ ہے، اسکو حرکت دینے والی کوئی چیز مل جائے تو وہ حرکت میں آجاتا ہے، پھر نہ مذہب کو دیکھتا ہے نہ ملّت کو، نہ فرقے کو نہ علاقے کو، نہ وطن کو دیکھتا ہے، نہ ملک کو دیکھتا ہے، انسان، انسان کا دل دیکھتا ہے، اسکے درد کو محسوس کرتا ہے، جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اور وہ کھنچنے پر مجبور ہے، اسی طرح انسان کے دل کا مقناطیس انسان کے دل کو کھینچتا ہے۔

## جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

اگر انسان سے یہ دولت چھن جائے تو وہ دیوالیہ ہو جائے گا، اگر کوئی ملک اس سے محروم ہو جائے، اگر امریکہ کی دولت، روس کا نظام، عرب ممالک کے پٹرول کے چشمے ہوں، ہن برستا ہو، سونے اور چاندی کی گنگا جمنا بہتی ہو لیکن اس ملک میں محبت کا چشمہ خشک ہو چکا ہو تو وہ ملک کنگال ہے۔ اس ملک پر اللہ کی رحمتیں نازل نہ ہونگی۔

ابھی انسان کی آنکھ آنسو بہانے کے قابل ہے، ابھی انسان کا دل تڑپنے، سلگنے اور چوٹ کھانے کے قابل ہے، جو دل اس قابل نہیں ہے، ایسے دل کو دل نہیں کہتے بلکہ پتھر کی سل کہتے ہیں۔

جو خدا کی بارگاہ میں کوڑی کے قابل نہیں، چاہے وہ مسلمان کا دل ہو یا ہندو، سکھ، عیسائی کا دل ہو، دل تو اس لئے ہے کہ وہ تڑپے، لرزے، روئے، اس میں زمین سے زیادہ شادابی، آبشار سے زیادہ سیرابی، کائنات سے زیادہ وسعت اور بادلوں سے زیادہ برسنے کی صلاحیت ہو۔

کوئی جاکر کے کہدے ابر نیساں سے کہ یوں برسے
کہ جیسے مینھ برستا ہے ہمارے دیدۂ تر سے

وہ آنکھ انسان کی آنکھ نہیں نرگس کی آنکھ ہے جس میں نمی نہ ہو، وہ دل انسان کا دل نہیں چیتے

کا دل ہے جس پر کبھی درد کی چوٹ نہ لگے، جو کبھی انسانیت کے غم میں رونا تڑپنا نہ جانے، وہ پیشانی جس پر کبھی ندامت کا پسینہ نہ آئے وہ پیشانی نہیں بلکہ کوئی چٹان ہے۔

جو ہاتھ انسانیت کی خدمت کے لئے نہیں بڑھتا وہ مفلوج ہے، وہ ہاتھ جو انسان کی گردن کاٹنے کے لئے بڑھتا ہے، اس سے شیر کا ہاتھ بہتر تھا، اگر انسان کا کام کاٹنا تھا تو قدرت اس کو بجائے ہاتھوں کے تلوار دے دیتی، اگر انسان کا مقصدِ زندگی صرف مال جمع کرنا تھا تو اسکے سینے میں دھڑکتے ہوئے دل کے بجائے ایک تجوری رکھ دی جاتی، اگر انسان کا کام صرف تخریب کے منصوبے بنانا تھا تو اسکے اندر انسان کا دماغ نہ رکھا جاتا بلکہ کسی شیطان، کسی راکشس کا دماغ رکھ دیا گیا ہوتا۔

انسان کے جسمانی تخلیق کے عجائبات بتلائے جاتے ہیں، لیکن آپ اسکے دل کے عجائبات دیکھیں تو جسم کے عجائبات ماند پڑ جائیں، اسکو ایسا دل دیا ہے کہ مشرق میں کسی کو تکلیف ہو تو وہ مغرب میں تڑپ اٹھے، یہ دل کی زندگی تھی کہ جنگ بدر کے موقع پر جو لوگ قیدی بنائے گئے اور ان کی مشکیں کسی گئیں تو رسول اللہ ﷺ ان قیدیوں کی تکلیف کے احساس سے رات بھر سو نہ سکے، اگر کوئی بچہ روتا تو آپ نماز مختصر کر دیتے کہ کہیں اسکی ماں بے چین نہ ہو۔ جو دل کسی کا دل دکھائے، کسی کو تکلیف پہونچائے تو وہ دل کس شمار کے قابل ہے؟

بھائیو! خدا کا سارا معاملہ اس کے مخلوق کے ساتھ بتاتا ہے کہ خدا نسل انسانی سے مایوس نہیں، آپ کا واٹر ورکس پانی روک سکتا ہے، آپ کا پاور ہاؤس بجلی روک سکتا ہے تو کیا خدا اپنی نعمتیں نہیں روک سکتا ہے؟ جس طرح میونسپلٹی علاقہ کے رہنے والوں کی صلاحیت سے مایوس نہیں اور ان کی خدمت کر رہی ہے، خدا اس طرح اس دنیا کو پانی بھی دے رہا ہے، اور سب کو حکم ہے کہ وہ انسان کی خدمت کریں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

پورا کارخانہ انسان کی خدمت میں لگا ہوا ہے، خدا اس سے مایوس نہیں ہوا ہے، لیکن ہم اپنے اخلاق سے کیا ثابت کر رہے ہیں؟ کیا ہم ثابت کر رہے ہیں کہ ہم انسان کو کوئی بڑی چیز سمجھتے ہیں؟ کوئی اونچی چیز سمجھتے ہیں؟ اپنے برابر کا سمجھتے ہیں؟ اپنے جسم کا ٹکڑا سمجھتے ہیں؟

یہ طرز عمل انسانی آبادی کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے، باہر سے کوئی خطرہ نہیں، وہ زمانہ بیت گیا جب قومیں دوسری قوموں پر چڑھائی کرتی تھیں، خطرہ اندرونی ہے، وہ ہے انسان دشمنی اور انسانیت کی پامالی کا خطرہ۔ انسانیت کی خیر خواہی سے آنکھیں بند کر لینا، اس خطرے سے ملک کو بھی اور قوم کو بھی بچانے کی ضرورت ہے۔

## مقامِ انسانیت

پیغمبروں نے انسانوں کو بتلایا تھا کہ اگر تم نے اپنے کو دنیا کا تابع کر لیا۔ اور اپنی خواہشات کو اپنے اوپر مسلط کر لیا، تو یہ ساری زندگی غیر فطری اور بد نظم ہو جائے گی، اور ایک ایسی انارکی پھیلے گی کہ یہی دنیا تمھارے لئے جہنم بن جائے گی، اگر انسان نے اپنے کو نہیں پہچانا تو وہ اپنے مقام سے گرتا چلا جائے گا اور انسانیت تباہ و برباد ہوگی۔

قرآن شریف میں بتلایا گیا ہے کہ انسان کو پیدا کر کے فرشتوں کو اسکے آگے جھکایا گیا، جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسانیت کی یہ ایک تذلیل ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کے سامنے جھکے، جبکہ خدا کے بعد اسکے فرشتے ہی سب سے زیادہ جھکنے کے قابل تھے، کیونکہ وہ اس عالم کے کارپرداز ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے بارش لاتے ہے، ہوائیں چلاتے ہیں، جسطرح ایک حاکم اپنے نائب کا اپنے اہل کاروں سے تعارف کراتا ہے، اسی طرح خدا نے انسان کے آگے فرشتوں کو جھکا کر ایک تعارف یا انٹروڈکشن کرایا کہ انسان کی نسل کو قیامت تک کے لئے یہ سبق یاد رہے کہ وہ بجز خدا کے کسی کے آگے جھکنے کے قابل نہیں، مگر انسان اپنی ہستی اور ذات کو فراموش کر کے انسانیت کی تذلیل اور خون کر رہے ہیں (۱)۔

---

(۱) پیامِ انسانیت۔ ۵۵۔ ۵۶